مُحدِّث

مدیر اعلیٰ

حافظ عبدالرحمن مدنی

مجلس التحقیق الاسلامی

ISLAMIC RESEARCH
LAHORE - PAKISTAN

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبد الرحمٰن مدنی مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور حافظ عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہو رہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰ روپے زرِ سالانہ: ۲۰۰ روپے بیرون ملک: ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476 موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com __ www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ رہ کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

ملّت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ

مُحدّث

لاہور

حافظ صلاح الدین یوسف
مُدیر

جلد ۳۰ عدد ۴
شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ
دسمبر ۱۹۹۸ء

فہرست مضامین

فکر ونظر

دینی تعلیم و تحقیق اور عصری تقاضے — ارشاد الحق اثری — ۲

حدیث وسنت

قرآن وسنت میں باہمی تعلق III — غازی عزیر — ۷

مقالات

شریعت بل...... تبصرہ و تجزیہ — محمد عطاء اللہ صدیقی — ۱۴

خود انحصاری کی ضرورت واہمیت — مسز ثریا علوی — ۳۶

دارُ الإفتاء

نماز کے مسائل، حجام کی کمائی...... — حافظ ثناء اللہ مدنی — ۵۱

تعارفِ کتب

مولانا کیلانی" اور تفسیر قرآن — حافظ حسن مدنی — ۵۷

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمٰن مدنی

مدیر معاون
حافظ حسن مدنی

زر سالانہ 150 روپے
فی شمارہ 15 روپے

99 J, Model To[wn]
Lahore - 54700

Publisher: Hafiz Abdul Rahman Madani   Printer: Zahid Bashir Printers, Lahore.

محدث کتاب وسنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلّی اتفاق ضروری نہیں!

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

Ph: 5866476, 5866396, 85289
Email: wtrust@paknet1.ptc.pk

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکرو نظر

دینی تعلیم و تحقیق اور عصری تقاضے

"اسلامی تعلیم و تحقیق انسٹیٹیوٹ" کے زیر اہتمام مورخہ ۳۰ر نومبر ۹۸ء کو ایک عظیم تعلیمی سیمینار منعقد ہوا جس میں قدیم و جدید نصاب ہائے تعلیم کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا۔ اسی سیمینار میں زیر نظر مقالہ بھی پڑھا گیا جو ہم ادارتی صفحات میں شائع کر رہے ہیں۔ مجلس تحقیق اسلامی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس سیمینار کے اہم مقالات و تقاریر محدث کے شمارہ بابت فروری ۹۹ء میں شامل اشاعت ہوں گی۔ ان شاء اللہ! (ادارہ)

پاکستان میں آج جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں، ان حالات میں اس موضوع کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ ہماری حکومت پندرھویں دستوری ترمیم کے ذریعے ملک میں کتاب و سنت کی بالادستی منظور کرانے کے لئے کوشاں ہے۔ اس بل کے مضمرات کیا ہیں، اس کی کوئی ضرورت ہے یا نہیں، یہ میری گفتگو کا موضوع نہیں تاہم اس تحریک اور ترمیمی بل کے آنے کا یہ فائدہ ضرور ہوا ہے کہ سنجیدہ فکر علمائے کرام سے لے کر عام مسلمان بھی اسلام کے لئے سوچنے، اس پر غور و فکر کرنے اور اس سلسلے کے رکاوٹوں اور مشکلات پر بحث و تمحیص کرتا نظر آتا ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ یک عرصہ سے یہ خیال بڑی جسارت سے پھیلایا گیا کہ ۱۴ صدیاں پرانا اسلام زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتا اور یہ جدید حالات میں قابل عمل نہیں اور اس وقت دنیا میں سیاسی اور معاشی حالات اس نوعیت کے ہیں کہ شریعت کی روشنی میں ان کا حل ممکن نہیں۔

بلاشبہ عرصہ دراز سے مکمل کتاب و سنت کا نفاذ متروک رہا ہے۔ جن ممالک میں شریعتِ طاہرہ پر عمل ہوا، اُن میں شریعت کے ساتھ ساتھ غیر شرعی قوانین کی پیوند کاری بھی ہوتی رہی۔ مگر قابل غور بات یہ ہے کہ یہ تاثر کیوں اُبھرا، اس کے اسباب کیا ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا ایک بڑا سبب وہ ہے جو ترک میں "کمالی" انقلاب پر تبصرہ کرتے ہوئے امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے بیان فرمایا ہے، اُن کے الفاظ ہیں:

> "یہ اس عقیم نصابِ تعلیم کا نتیجہ تھا جس نے نئے انداز کو نظر انداز کیا اور ان علماء کا قصور تھا جو ہنوز افلاطون اور ارسطو کے دور کی جاروب کشی میں مصروف ہیں۔ دنیا بدل گئی، علوم و فنون کہاں سے کہاں پہنچ گئے، فکر و نظر کا معیار کچھ سے کچھ ہو گیا ہے، ذہنوں کے سانچے یکسر بدل گئے لیکن

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے علماء ہنوز یونانیوں کے پس خوردہ پر قناعت کئے ہوئے ہیں۔ وہ عصر حاضر کے مسائل فرسودہ کتابوں سے حل کرنا چاہتے ہیں۔ اور نئے سوالات کے جواب پرانی کتابوں میں تلاش کر رہے ہیں۔ اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ ہم کسی کو برا بھلا کہیں اور بڑھتی ہوئی لادینیت پر صفِ ماتم بچھائیں بلکہ اصل خرابی کو سمجھیں، زمانے کے تقاضوں سے آشنا ہوں، نئے اندازِ نظر سے واقفیت حاصل کریں، جدید علوم وفنون کو نصاب میں شامل کریں، مذہب کے اصلی سرچشموں تک رسائی حاصل کریں، تقلیدِ جامد کے شیوۂ قدیم کو ترک کریں، کتاب وسنت کی اصل نصوص کو غور وفکر کا مرکز بنائیں، نظر میں وسعت اور فکر میں گہرائی پیدا کریں اور خود ساختہ رسم ورواج کی بندشوں سے آزاد ہوں...... اگر ہم نے ایسا کرلیا تو عصر حاضر کی مشکلات کو حل کرسکیں گے اور لادینی کے سیلاب کو روک سکیں گے، ورنہ ہماری کہنہ دیواروں میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ وقت کے اس تیز وتند دھارے کو روک سکیں"

غور فرمائیے کہ منطق وفلسفہ قطعاً دینی علوم نہیں۔ خیر القرون میں اس کا کہیں تصور نہیں۔ بلکہ اِن علوم کی یلغار سے جب مسلمان متاثر ہوئے تو علمائے امت نے اسے اپنے نصاب میں شامل کیا۔ اس کے خدوخال کو دیکھا پرکھا بلکہ آگے بڑھ کر ان میں مجتہدانہ بصیرت حاصل کیا اور ببانگِ دُھل اس کا اعلان بھی کیا کہ محض منطق علومِ عقلیہ کی میزان نہیں ہے۔ جسکی تفصیل ردُّ المنطقیین میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اسی طرح برصغیر پر ۷/۸ سو سال تک مسلمان حکمرانوں نے حکومت کی۔ ان کی زبان عموماً فارسی تھی تو یہاں پر صرف ونحو سے لے کر حدیث وقرآن پاک سے متعلقہ علوم کو فارسی زبان کا لباس پہنا دیا گیا۔ اور عربی کی طرح فارسی بھی ہماری درسی زبان رہی مگر ادھر کچھ عرصہ سے یہ فارسی نصاب آج مدارس کے نصاب سے خالی نظر آتا ہے، کیوں؟...... جواب بالکل واضح ہے کہ یہ اب ہماری دفتری زبان نہیں رہی اور اس کی ضرورت کم ہوگئی ہے۔ مسلمان حکومت کے خاتمہ کے بعد انگریز یہاں وارد ہوا، اس نے اپنی زبان کو ہوا دی اور انگریزی کو دفتری زبان قرار دیا۔ عموماً علمائے کرام نے حالات کے تناظر میں، مذہب اور مسلمان کے تحفظ میں اس کی مخالفت کی۔ مگر اس کمی کو انگریز حکمرانوں نے پورا کرنے اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے مسجد ومدرسہ سے ہٹ کر سکول، کالج وغیرہ قائم کئے اور ان میں انگریزی زبان کی تعلیم وتعلّم کو لازم قرار دیا۔ جس کا نتیجہ ہے کہ پاکستان بن جانے کے ۵۰ سال بعد بھی ہم اس خلیج کو پاٹ نہیں سکے۔ کالج اور مدارس کے طلباء میں یکسانیت نظر نہیں آتی۔ ایک دوسرے کو دین سے دور بلکہ بے دین ہونے کا طعنہ دیتا ہے تو دوسرا اُسے قدامت پسند اور عقل وفکر سے عاری تصور کرتا ہے...... معاذاللہ!

میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ نصاب کچھ ترمیم کے ساتھ مدارس کے نصاب میں شامل کر

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیا جاتا تو کالجز میں انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ جو انگریزی تہذیب ہمیں نظر آتی ہے اور جس کا شکوہ بھی ہم بڑی شدت سے کرتے ہیں، اس کی آج نوبت نہ آتی۔ فارسی، مسلمانوں کی زبان تھی اور ۷ ر ۸ سو سال انہوں نے ہی برصغیر پر حکمرانی کی۔ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ یہاں کی ہندو قوم نے بھی فارسی زبان سیکھی، اس کے فوائد و ثمرات بھی حاصل کیے مگر انہوں نے فارسی تہذیب کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ اپنی اپنی تہذیب و ثقافت کا تحفظ کیا۔ ہم بھی اگر اپنے نونہالوں کو مدارس کے دینی ماحول میں انگریزی کی تعلیم دیتے جو وقت کی ضرورت تھی تو آج انہیں دین سے دوری اور لادینیت کا طعنہ نہ دیتے۔

بہر حال عرض یہ کرنا تھا جیسا کہ مولانا ابو الکلام نے فرمایا کہ اگر ہم نے آگے بڑھ کر اسلام کو پوری دنیا میں متعارف کرانا ہے اور پوری دنیا کے لیے اس کی ہدایت و راہنمائی سے روشناس کرانا ہے تو ضروری ہے کہ...... "جدید علوم و فنون کو نصاب میں شامل کریں۔ مذہب کے اصلی سرچشموں کی طرف رجوع کریں اور کتاب و سنت کے اصل نصوص کو اپنی غور و فکر کا مرکز بنائیں"

مسلمان اسلام کو اللہ کا آخری دین، قرآنِ مجید و فرقانِ حمید کو آخری کتاب اور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی تسلیم کرتا ہے۔ پھر جو دین اور کتاب قیامت تک کے لیے اپنی بقا اور اس پر عمل کرنے والی ایک جماعت کی موجودگی کی خبر دیتی ہے، جس دین کے احکام پر ہر عہد میں ایک جماعت عمل کرنے والی رہی ہو اور رہے گی، ظاہر ہے کہ اس کے احکام دائمی ہوں گے، ہر زمانے اور ہر عہد میں ان پر عمل آسان ہو گا۔ ایسی صورت میں بتلایئے اسلام کو کس طرح جامد تصور کیا جا سکتا ہے؟ جب اسوۂ حسنہ ﷺ قیامت تک کے لیے ہے تو اس کا منطقی تقاضا ہے کہ اس تغیر پذیر دنیا میں کتاب و سنت کے احکام پر عمل میں کوئی دشواری محسوس نہ ہو۔ قدیم فقہی ذخیرہ بلاشبہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس سے استفادہ کا بھی کوئی صاحبِ علم منکر نہیں مگر یہ بات بھی ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ان قدیم فقہائے کرام کے سامنے نہ تو یہ جدید حالات تھے اور نہ ہی اِن موجودہ تقاضوں سے وہ باخبر تھے۔ انہوں نے اپنے دور کے مسائل پر غور و فکر کیا اور کتاب و سنت کی روشنی میں انہیں حل کرنے کی کوشش کی۔ لوگوں کی ضرورتوں کا اندازہ کر کے کچھ آئندہ رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں بھی انہوں نے مشورے دیے۔ مگر کوئی کتنا ہی عالم اور صاحبِ فکر و نظر کیوں نہ ہو، وہ صدہا برس آگے کے حالات کا پورا اندازہ نہیں کر سکتا۔ وہ ماضی کے واقعات اور حالات کے تجربوں کی روشنی میں مستقبل کو قیاس کر کے کوئی رائے دے گا تو قدم قدم پر غلطیوں کا امکان ہی نہیں، ان کا وقوع یقیناً ہو گا اور ہوتا بھی رہا۔ یہی وجہ ہے احوال و ظروف سے بے نیاز ہو کر سابقہ نظائر پر فتویٰ دینے پر علمائے امت نے شدید نکیر کی ہے جس کی تفصیل علامہ ابن عابدین کے رسالہ "المفتی" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ علیم و خبیر صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے جس کے سامنے ماضی بے نقاب اور مستقبل بے حجاب ہے۔ زمان و مکان کے تمام

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تغیرات اسی کے علم میں ہیں، اس لیے اس نے ہر دور کی ضرورتوں کے مطابق ہدایات دیں اور انہیں قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا۔ اور یہ اعلان بھی کر دیا کہ ﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطورِ دین پسند کر لیا" (سورۃ المائدہ : ۳)

بلکہ بڑے وارننگ کے انداز میں اس دین کی مخالفت کرنے سے خبردار کیا کہ

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِيْ الآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾
"اسلام کے سوا جس نے کوئی دوسرا دین پکڑنا چاہا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نقصان اُٹھانے والوں سے ہوگا" (القرآن)

حضرات صحابہ کرام نے اسی اسلام کو اپنا نصب ُالعین بنایا اور انہیں زندگی کے کسی مرحلہ میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوئی۔ عہد ِنبوی کے بعد اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر عجم کو بلادِ اقصیٰ تک پہنچا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تقریباً ساڑھے ۲۲ لاکھ مربع میل کا علاقہ دائرہ اسلام میں شامل ہوا۔ قیصر و کسریٰ کی عظیم سپر پاور سلطنتیں سرنگوں ہوئیں۔ عرب کے صحرا نشین روم وایران کے وارث بنے۔ جو لوگ کسی ملک و بستی کی قیادت سے ناآشنا تھے، وہ اب لاکھوں بستیوں اور شہروں کی نگرانی کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں اور وہ بھی اس شان وناز سے کہ لوگ اپنے ہم عقیدہ اور اپنے حکمرانوں کو بھول گئے۔ حمص کے یہودیوں اور عیسائیوں نے اس سلسلے میں جو کچھ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح سے کہا، تاریخ کے اوراق میں ان کی یہ شہادت آج بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

حضرت عمرؓ فاروق جن کی جہاں گیری اور جہاں داری کی مدح وستائش میں سبھی رطب ُاللسان ہیں، اسلام سے پہلے وہ کس خطہ کے فرمانروا تھے اور کس قبیلہ کے وہ سردار تھے ؟ لیکن حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد جب قیصر و کسریٰ جیسے متمدن ممالک اُن کے قبضے میں آئے تو ان کا ایسا انتظام کیا کہ اس کی نظیر پیش کرنا جوئے شیر لانے کی مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کے علاوہ انہوں نے نہ کوئی تعلیم حاصل کی، نہ ہی درسگاہِ نبوت کے علاوہ کہیں سے کچھ حاصل کیا۔ لیکن کتاب وسنت کے مطالعہ اور ان میں غور و فکر سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی صلاحیت عطا فرمائی کہ جس کام کو وہ اختیار کرتے، کامیابی ان کے قدم چومتی۔ اُن کی فتوحات کے نتیجہ میں بے شمار نئے مالی و معاشرتی مسائل پیدا ہوئے جن کا حل انہوں نے قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کیا۔ عراق و شام فتح ہوا تو صحابہ کرام کی رائے تھی کہ سابقہ دور کے مطابق مفتوحہ اراضی مالِ غنیمت کے طور پر فوج میں تقسیم کر دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے اختلاف کیا کہ اگر ایسا ہی کیا گیا تو اجتماعی نظام نہ قائم ہو سکے گا اور نہ ہی سلطنت کی حفاظت اور باقی ماندہ مسلمانوں کی کماحقہ دیکھ بھال ہو سکے گی۔ مگر باقی صحابہ کرامؓ تقسیم کے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیصلہ پر مصر تھے بالآخر حضرت عمرؓ نے سورۃ الحشر کی آیت ﴿وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ......﴾ پیش کی تو تقسیم کے خلاف فیصلہ ہوا اور سب صحابہ کرام نے حضرت عمرؓ سے اتفاق کیا۔ یہ آیت سب صحابہ کرامؓ کے سامنے تھی، وہ شبانہ روز اِس کی تلاوت بھی کرتے تھے مگر اس کا یہ خاص پہلو اس سے پہلے کسی کے ذہن میں نہیں آیا مگر جب اس موقعہ پر حضرت عمرؓ نے اِس کی تلاوت کی تو سب کی آنکھیں کھل گئیں......اس داستان سرائی کا مقصد یہ ہے کہ آج بھی اگر ہم کتاب و سنت کو اپنا نصب العین بنالیں اور اسی کی تحقیق و تجسّس کو اپنا مطمحِ نظر بنائیں تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل و کرم سے زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کے حل کے لیے کوئی دشواری نہیں آئے۔

حوادثات چونکہ غیر محدود ہیں اور ہر دن نت نئے مسائل پیش آتے رہتے ہیں۔ اس لیے ہر دور میں ثقہ علماء کرام نے ہمیشہ جمود سے بالاتر ہو کر کتاب و سنت کی روشنی میں ان مسائل پر غور و فکر فرمایا اور انسانیت کی راہنمائی فرمائی جزاء هم الله أحسن الجزآء لیکن مجھے یہ بات کہنے کی بھی اجازت دیجئے کہ اجتہاد اور غور فکر کا یہ میدان محض اسلامیات کے پی ایچ ڈی، کسی اسلامی مملکت کے وزیر قانون یا پاکستان کی طرز پر کسی ملک کی پارلیمنٹ کا نہیں بلکہ ان حضرات کا ہے جن کی دقیق نگاہیں براہِ راست قرآن پاک اور احادیثِ نبوی ﷺ سے مستنیر ہوتی ہیں۔ جن کی عمر کا غالب حصہ انہی کی غوطہ زنی میں اور اسلام کے مزاج کو سمجھنے میں صرف ہوا ہے۔

پھر اسلامی احکام و مسائل کی تحقیق کا دائرہ کار صرف عبادات پر محدود نہیں بلکہ الٰہیات سے لے کر معاش و معاشرت اور معاد تک کے سبھی امور اس میں شامل ہے۔ اور ضرورت اس بات کی ہے کہ دین کے دوسرے ماخذ یعنی سنت پر از سرِ نو غور و فکر کیا جائے۔ متفرق متون کو جو ایک واقعہ سے متعلق ہیں، یکجا کیا جائے جس سے یقیناً نئی راہیں کھلیں گی اور یوں وہ مجموعہ روایات کئی مسائل کے حل میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔ صحیح احادیث کا ذخیرہ بحمدِ اللہ محفوظ شکل میں موجود ہے، اب ضرورت ہے کہ اسی اسلوب پر صحیح اسلامی تاریخ کو مرتب کیا جائے تاکہ اسلام کے روشن چہرے پر جو بدنام داغ تاریخ کے جھروکوں سے آ وارد ہوئے ہیں، اُن کا مداوا کیا جائے۔ دورِ حاضر میں بعض حضرات نے بحمد اللہ اس کا آغاز بھی کر دیا ہے۔ پھر یہ بات بھی تاریخ کے حوالہ سے یاد رکھنی چاہیے کہ اسے محض تاریخیت کی بنیاد پر نہ دیکھا جائے بلکہ تاریخ اقوام و ملک میں عروج و زوال کے اسباب و دواعی کو بھی کھول کر بیان کیا جائے۔ یوں ہم اسے قرآن پاک کی زبان میں عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ کا پیغام بنا سکتے ہیں۔ تاریخ کا یہ حقیقی پہلو عموماً ہماری نگاہوں سے لو جھل گیا اور اِس حیثیت سے ہم نے اِس سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا ہے ☆

(ارشاد الحق اثری)

 محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث وسنت

غازی عزیر

(قسط : ۳)

قرآن وسنت کا باہمی تعلق

...... ذیل میں قرآن سے زائد احکام پر مشتمل چند احادیث کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں :

۱۔ قرآن میں شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے لیکن لفظ خمر سے بظاہر شراب کی اتنی ہی مقدار کی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نشہ آور ہو، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

﴿إنما يريد الشيطن أن يوقع بينكم العداوة والبغضاء في الخمر والميسر ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلوٰة﴾ (۹۷)

یعنی "شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمھارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کردے اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے"......

لیکن حدیث میں اس پر یہ زائد حکم بیان کیا گیا ہے کہ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے، "ما أسكر كثيره فقليله حرام" (۹۸)

۲۔ آیت : ﴿وحرم عليكم صيد البر ما دمتم حرما﴾ (۹۹) یعنی "اور خشکی کا شکار پکڑنا تمھارے لیے حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالتِ احرام میں ہو" ...... سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم کیلئے شکار مطلقاً حرام ہے لیکن قرآن اس پر بالکل خاموش ہے کہ جو شخص غلطی سے حالتِ احرام میں شکار کرلے اس کی جزا کی نوعیت کیا ہوگی ؟ مگر حدیث بتاتی ہے کہ عمداً اور سہواً دونوں صورتوں میں جزا یکساں ہوگی۔

۳۔ قرآن کریم میں ہے :

﴿وما علمتم من الجوارح مكلبين تعلمونهن مما علمكم الله فكلوا مما أمسكن عليكم﴾ (۱۰۰)

یعنی "اور جن شکاری کتوں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو چھوڑو بھی اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دیا ہے تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمھارے لیے پکڑیں، اس کو کھاؤ"......

اس آیت سے یہ پتہ چلا کہ اگر کتا باقاعدہ شکار کے لیے سدھایا ہوا نہ ہو تو اس کا شکار حلال نہیں ہے لیکن قرآن اس معاملہ میں بالکل خاموش ہے کہ اگر سدھایا ہوا کتا شکار میں سے کچھ کھالے تو یہ شکار حلال ہوگا یا نہیں ؟ مگر حدیث بتاتی ہے کہ یہ شکار بھی حرام ہے۔ (۱۰۱)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے : ﴿وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ﴾ (۱۰۲) یعنی "اور (تمھارے لیے یہ حرام کیا گیا ہے کہ) تم دونوں بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو" لیکن حدیث اس کے ساتھ خالہ وبھانجی اور پھوپھی وبھتیجی کو بھی بیک وقت نکاح میں رکھنے سے منع کرتی ہے۔ بظاہر اس اضافہ کی کوئی بنیاد قرآن میں موجود نہیں ہے، لیکن اگر ﴿وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ﴾ کی علت پر غور کیا جائے تو نبی ﷺ کے اس ارشاد کی اصل معلوم ہو جاتی ہے۔ یعنی جس طرح دو بہنوں کو سوکنوں کی شکل میں رکھنا ان کے رشتۂ اُخوت کو قطع کرنے کے مترادف ہے، اُسی طرح خالہ وبھانجی اور پھوپھی وبھتیجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا بھی اسی علت کا حامل ہے۔ ایک دوسرے موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا بھی ہے : "وإذا فعلتم ذلك قطعتم أرحامكم"

یعنی "اور جب تم یہ کرو گے تو اپنی قرابتیں کاٹ ڈالو گے" (۱۰۳)

۵۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ ...... وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ﴾ (۱۰۴) یعنی "تم پر حرام کی گئی ہیں...... اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمھاری رضاعی بہنیں" اس آیت میں صرف دو رضاعی رشتے حرام قرار دیے گئے ہیں حالانکہ حدیث میں ان کے علاوہ بھی متعدد رشتے، رضاعت کی بنا پر حرام ہیں (۱۰۵)

۶۔ قرآن مجید میں ایک واضح اصول کے تحت نواقض وضو کا ذکر کیا گیا ہے لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نواقضات کے علاوہ ریح خارج ہونا اور نیند آجانا بھی نواقض وضو میں شامل ہیں۔

☆ اب ذیل میں چند ایسی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن میں قرآن کے ظاہری مفہوم کو حدیث کی روشنی میں ترک کر دیا جاتا ہے :

۱۔ ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثٰى بِالْأُنْثٰى﴾ (۱۰۶)

یعنی "اے ایمان والو، تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے، مقتولین کے بارے میں : آزاد آدمی، آزاد آدمی کے عوض میں اور غلام غلام کے عوض میں اور عورت عورت کے عوض میں"

اس آیت کے ظاہری الفاظ سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو قتل کر ڈالے تو وہ مرد قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ قرآن اس بارے میں ساکت ہے لیکن حدیث میں یہ اضافی حکم موجود ہے کہ قصاص کے معاملہ میں تمام مسلمان یکساں ہیں۔ "تتكافأ دمائهم" اس لیے مقتولہ کے عوض میں بھی قاتل کو قتل کیا جائے گا۔ (۱۰۷)

۲۔ ﴿لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ (۱۰۸)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی ''اپنی لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہوں'' اس آیت میں ﴿إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ لونڈیاں عفت اور پاکبازی کی زندگی گزارنے کے بجائے کسی اور سبب سے زنا پر آمادہ نہ ہوں تو ان کو بدکاری کے لیے مجبور کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہاں تحصنًا کی قید اتفاقی اور اظہار واقعہ کیلئے ہے، احترازی نہیں ہے۔ (۱۰۹)

۳۔﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ ...... وَرَبَائِبُكُمُ الّتِي فِيْ حُجُوْرِكُمْ ﴾ (۱۱۰)

• یعنی ''تم پر حرام کی گئی ہیں ...... تمھاری بیویوں کی (پہلے خاوند سے) وہ بیٹیاں جو تمھارے زیر پرورش رہتی ہوں'' لیکن حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ربیبہ لڑکیاں خواہ زیر پرورش ہوں یا نہ ہوں بہر حال حرام ہیں۔ اس آیت میں ''فی حجورکم'' کی قید کسی قانونی پابندی کے اضافہ کے لیے نہیں بلکہ صرف اظہارِ واقعہ کے لیے ہے'' (۱۱۱)

۴۔﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ﴾ (۱۱۲)

یعنی ''بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں، اگر وہ ان دونوں نشانیوں کا طواف کرے''......

اس آیت سے ظاہر ہے صفا مروہ کے درمیان طواف (سعی) کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے حالانکہ حدیث کی روشنی میں یہ سعی واجب ہے (۱۱۳)

(۵)﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (۱۱۴) یعنی ''پس اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا اگر تم نماز کو کم کردو، اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ کافر لوگ تم کو پریشان کریں گے'' اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف دشمن سے خوف کی حالت ہی میں نماز قصر کی جاسکتی ہے، حالانکہ حدیث بتاتی ہے کہ حالتِ سفر میں خواہ دشمن کا خوف ہو یا نہ ہو، نماز قصر کی جاسکتی ہے، بلکہ بعض ائمہ کے نزدیک حالت سفر میں نماز قصر کرنا واجب ہے۔

قرآن سے زائد احکام پر مشتمل ایسی احادیث نبوی کے یقینی طور پر واجب العمل ہونے کی دلیل محی السنۃ علامہ نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

''ومثال الثاني: آية الوضوء، انها مدنية إجماعا وفرضه كان بمكة مع فرض الصلوة وكآية الجمعة فانها مدنية والجمعة فرضت بمكة كذا قيل والحكمة فى ذلك تاكيد حكم السابق بالآية'' (۱۱۵)

یعنی ''دوسری مثال یہ ہے کہ وضو کی آیت متفقہ طور پر مدنی ہے حالانکہ وضو نماز کے فرض ہونے کے ساتھ مکہ میں فرض ہوا تھا۔ اسی طرح جمعہ کی آیت بھی مدنی ہے جب کہ جمعہ مکہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں فرض ہوا تھا، چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ سابقہ حکم کو آیت نازل کر کے مؤکد کر دیا جائے"

ان دو واقعات سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ آیاتِ وضو، جمعہ نازل ہونے سے قبل بھی ان پر عمل کیا جاتا تھا، حالانکہ ان آیات کے نزول سے قبل تک ان احکام کا قرآن میں کوئی اشارہ تک موجود نہ تھا۔ پس معلوم ہوا کہ عہدِ رسالت میں قرآن سے زائد احکام پر سنت نبوی کے مطابق مسلسل آٹھ سال عمل ہوتا رہا جو اثباتِ حکم میں سنت پر قطعی اعتماد کی واضح دلیل ہے، خواہ اس کا مضمون قرآن سے زائد ہی ہو۔ حضرت مقدامؓ بن معدیکرب سے مروی یہ حدیث بھی اس امر کی تائید کرتی ہے:

"قال رسول الله ﷺ ألا اني أوتيت القرآن ومثله معه، ألا يوشك رجل شبعان على أريكته يقول عليكم بهذ القرآن فما وجدتم فيه من حلال فأحلّوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه وإن ما حرم رسول الله كما حرم الله" (۱۱۶).

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آگاہ رہو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اسی کے مثل ایک اور چیز۔ عنقریب ایک سیر شکم آدمی مسند پر ٹیک لگائے ہوئے یوں گویا ہوگا کہ قرآن کا دامن تھامے رکھو، جو چیز اس میں حلال ہو، اس کو حلال سمجھنا اور جو حرام ہو، اسے حرام سمجھو۔ لیکن خبردار رہو کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہو، وہ بھی اللہ کی حرام کردہ اشیاء کی طرح حرام ہے"

قرآن سے زائد احکام پر مشتمل احادیث کے متعلق جناب حمید الدین فراہی کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے فراہی مکتب فکر کے ترجمان جناب خالد مسعود صاحب اپنے ایک مضمون "حدیث و سنت کا فراہی منہاج" میں لکھتے ہیں:

"اس کے بعد مولانا فراہی یہ اصول قائم کرتے ہیں کہ اگر کسی حکم کا ماخذ قرآن میں متعین نہ کیا جاسکے اور حدیث کا حکم قرآن کے خلاف نہ ہو بلکہ اس پر اضافہ ہو تو یہ اضافہ اس بنا پر قبول کر لیا جائے گا کہ وہ اس نور و بصیرت کا نتیجہ ہے جو حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ خاص عطا ہوئی تھی۔ ایسے احکام کو سنت میں مستقل اصل قرار دیا جائے گا کیونکہ ہمیں اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا گیا ہے...... الخ" (۱۱۷)

۴۔ مخالفِ قرآن احادیث (احادیث کی چوتھی قسم)

ایسی احادیث جو بظاہر قرآنی احکام سے متصادم معلوم ہوتی ہیں لیکن یہ تعارض حقیقی نہیں ہوتا بلکہ معمولی فکر و تدبر سے رفع کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ حدیثِ نبوی قرآن کریم کی شرح و تفسیر ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ إِلَيهِمْ﴾ سے ظاہر ہے اور یہ بھی طے شدہ امر ہے کہ یہ بیان و تبیین منجانبِ اللہ ہی بذریعہ وحی انجام پاتی تھی، پس جب قرآن اور اس کی شرح، دونوں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیزیں ہی منجانب اللہ ہیں تو ان دونوں کا ایک دوسرے کے خلاف ہونا عقلاً محال ہوا۔ قرآن میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (118)

یعنی "اگر یہ کلام غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت سارے اختلافات پاتے"

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں :

"نحن نقول قولا كليا نشهد الله وملائكته أن ليس في حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم مايخالف القرآن ولاما يخالف العقل الصريح بل كلامه بيان للقرآن وتفسيرله وتفصيل لما أجمله وكل حديث من ردّه بزعمه انه يخالف القرآن فهو مطابق للقرآن وغايته أن يكون زائدا على ما في القرآن وهذا الذي أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقبوله" (119)

یعنی "ہم اللہ عزوجل اور اس کے فرشتوں کو گواہ بنا کر کلی طور پر یہ کہتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو قرآن یا عقل کے مخالف ہو، بلکہ آں ﷺ کا کلام قرآن کی تبیین، اس کی تفسیر اور اس کے اجمال کی تفصیل ہے۔ جس حدیث کو کسی نے یہ سمجھ کر رد کیا ہے وہ مخالف قرآن ہے تو درحقیقت وہ قرآن کے عین مطابق ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسی احادیث قرآن سے زائد مضمون پیش کرتی ہیں اور ان روایات کو قبول کرنے کا خود رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا ہے"

حافظ ابن قیمؒ سے بہت قبل امام شافعیؒ نے بھی اپنی مشہور کتاب الرسالة (120) میں اس موضوع پر انتہائی بسط سے روشنی ڈالی ہے اور بدلائل قوی ثابت کیا ہے کہ اگر کوئی حدیث محدثین کی شرط پر صحیح ہو تو کبھی بھی قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ بخوفِ طوالت ہم یہاں امام شافعیؒ کے تمام دلائل پیش کرنے کی بجائے صرف ان کے حوالہ جات اور اس ایک مختصر عبارت کو نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں :

"ولم نجد عنه حديثين مختلفين إلا ولهما مخرج أو على احدهما دلالة بأحد ما وصفت إما بموافقة الكتاب أو غيره من السنة أو بعض الدلائل" (121)

حافظ الکندیؒ امام ابن خزیمہؒ سے نقل کرتے ہیں :

"لا أعرف أنه روىٰ عن النبي صلى الله عليه وسلم حديثان بأسنادين صحيحين متضادين فمن كان عنده فليأتني به لاولف بينهما" (122)

"مجھے کسی دو ایسی حدیثوں کا علم نہیں ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہوں اور باہم متضاد ہوں۔ اگر کسی شخص کے پاس ایسی کوئی چیز ہو تو اسے میرے پاس لائے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاکہ میں ان کے مابین جمع و تطبیق پیدا کر دوں"

اور ابن جبیرؒ سے مروی ہے :

"ما بلغني حديث على وجهه الا وجدت مصداقه في كتاب الله تعالى"(۱۲۳)

"میرے پاس ایسی کوئی حدیث نہیں پہنچی ہے کہ جس کا مصداق مجھے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ مل پایا ہو"

اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے تخریج فرمائی ہے :

"إذا حدثتكم بحديث أنباتكم بتصديقه من كتاب الله"(۱۲۴)

"جب میں تمہیں کوئی حدیث بیان کرتا ہوں تو کتاب اللہ سے اسکی تصدیق بھی بتا دیتا ہوں"

امام ابن حزمؒ اندلسی نے بھی اس بارے میں کافی مفید بحث درج فرمائی ہے، چنانچہ محمد بن عبداللہ بن میسرہؒ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ...... حدیث کی تین قسمیں ہیں :

۱۔ جو کچھ قرآن میں ہے، اس کے موافق حدیث ...... اس کا اخذ کرنا فرض ہے۔

۲۔ جو کچھ قرآن میں ہے اس پر زائد حدیث ...... یہ حدیث مضاف إلى ما في القرآن ہے، اس کا اخذ کرنا بھی فرض ہے۔

۳۔ جو کچھ قرآن میں ہے، اس کے مخالف حدیث ...... پس یہ مطرح ہے"(۱۲۵)

پھر اس قول کی زبردست تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

"کسی خبر صحیح کے احکام قرآن کے خلاف موجود ہونے کی اصلاً کوئی سبیل نہیں ہے ہر خبر شریعت ہے ولا سبيل إلى وجه ثالث"(۱۲۶)

اور جناب امین احسن اصلاحی کے استاذ جناب حمید الدین فراہی بھی جزوی طور پر اسی فکر کے قائل ہیں، چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں :

"میں یقین رکھتا ہوں کہ صحیح احادیث اور قرآن میں کوئی تعارض نہیں ہے تاہم میں روایات کو بطور اصل نہیں بلکہ بطور تائید پیش کیا کرتا ہوں۔ پہلے آیت کی تاویل مماثل آیات سے کرتا ہوں، اس کے بعد تبعاً احادیثِ صحیحہ کا ذکر کرتا ہوں تاکہ ان منکرین کو معارضہ کی راہ نہ ملے جنھوں نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے"(۱۲۷)

اوپر ہم نے جناب حمید الدین فراہی صاحب کے متعلق "جزوی طور پر اسی فکر کے قائل" ہونے کا تذکرہ اس لیے کیا ہے کہ آں موصوف کے نزدیک جو حدیث بظاہر مخالف قرآن وارد ہو، وہ اصلاً صحیح ہو ہی نہیں سکتی، اگرچہ وہ اصولاً صحیح قرار پاتی ہو، لہٰذا اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ تعارض کے حقیقی نہیں بلکہ ظاہری ہونے کی آں موصوف کے نزدیک، غالباً کوئی گنجائش نہیں ہے، چنانچہ فرماتے ہیں :

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"......احکام کی ایسی روایات جن کی بنیاد نہ قرآن میں ملتی ہو اور نہ اس اضافہ کا قرآن متحمل ہوتا ہو اور وہ قرآن کی نصوص کے خلاف ہوں یا ان کے ماننے سے قرآن کا جلی یا خفی نسخ لازم آتا ہو ان کو ترک کرنا ضروری ہوگا کیونکہ ان کی نسبت نبی علیہ السلام کے ساتھ درست نہیں۔ ان احکام کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں" (۱۲۸)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :

"بعض روایات ایسی بھی نقل ہوگئی ہیں جو قرآن مجید کی اصل کو ڈھانے والی ہیں۔ ایسی روایات کو قبول کرنا خود قرآن کا انکار کرنا ہے۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ بہت سے لوگ قرآن کو اس کی اصل سے پھیر دیں گے لیکن روایت کی تاویل کی جرات نہیں کریں گے۔ اسکی خاطر بسا اوقات وہ صرف آیت کی غلط تاویل پر ہی بس نہیں کرتے، بلکہ اسکے نظام کی قطع وبرید بھی کر ڈالتے ہیں، حالانکہ جب اصل وفرع میں تعارض ہو تو کاٹنے کی چیز فرع ہوتی ہے نہ کہ اصل" (۱۲۹)

ذیل میں ہم اس قسم کی بعض احادیث جن پر خلافِ قرآن ہونے کا الزام ہے کو ذکر کرتے ہیں اور ان کے مخالف قرآن ہونے کی حقیقت پر تبصرہ پیش کرتے ہیں : (آئندہ شمارہ میں)

حوالہ جات

(۹۷) المآئدۃ ۹۱ (۹۸) سنن ابو داؤد مع عون المعبود ج ۳ ص ۳۶۸، جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۱۰۴، سنن نسائی کتاب الاشربہ ۲۵ مسند احمد ج ۲ ص ۹۱، ۱۶۷ وغیرہ (۹۹) المآئدۃ ۹۶ (۱۰۰) المآئدۃ ۴ (۱۰۱) سنن ابو داؤد مع عون المعبود ۳ ص ۶۸ (۱۰۲) النسآء ۲۳ (۱۰۳) صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۹ ص ۱۶۰ (۱۰۴) النسآء ۲۳ (۱۰۵) صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۹ ص ۱۳۹ (۱۰۶) البقرۃ ۱۷۸ (۱۰۷) کمافی تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۱۰ (۱۰۸) النور ۳۳ (۱۰۹) کمافی تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۹ (۱۱۰) النسآء ۲۳ (۱۱۱) کمافی تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۱۷۱، صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۹ ص ۱۵۷ (۱۱۲) البقرۃ ۱۵۸ (۱۱۳) کمافی تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۹، صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۴۹۷ (۱۱۴) النسآء ۱۰۱ ابجد العلوم للنواب ج ۲ ص ۲۳۷ (۱۱۶) سنن ابو داؤد مع عون المعبود ج ۴ ص ۳۲۸، جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۳۷۴، سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۶، سنن الدارمی ج ۱ ص ۱۴۴، مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۰، ۱۳۲، الکفایۃ للخطیب ص ۸، تفسیر القرطبی ج ۱ ص ۳۷، ۳۸، جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۹۰ (۱۱۷) رسالہ "تدبر" لاہور عدد ۳۷ ص ۳۶ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء (۱۱۸) النسآء ۸۲ (۱۱۹) الصواعق المرسلۃ لابن قیم ج ۲ ص ۵۶۹ (۱۲۰) الرسالۃ للامام الشافعی ص ۸۴، ۸۶، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۴۶، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۹۸، ۲۱۲، ۲۲۱، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۳۲، ۵۶۴ (۱۲۱) نفس مصدر ص ۲۱۶ (۱۲۲) الکفایۃ للخطیب ص ۴۲۳، ۴۳۳، الاجوبۃ الفاضلۃ ص ۱۸۴، ۱۸۵ (۱۲۳) قواعد التحدیث للقاسمی ص ۵۹ (۱۲۴) نفس مصدر (۱۲۵) الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم ص ۱۹۷، ۲۰۱ (۱۲۶) نفس مصدر ص ۲۰۱ (۱۲۷) رسالۃ "تدبر" لاہور عدد ۳۷ ص ۳ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء (۱۲۸) نفس مصدر ص ۳۶ (۱۲۹) نفس مصدر ص ۳۴ بحوالہ مقدمۃ نظام القرآن للفراہی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقالات

محمد عطاء اللہ صدیقی

شریعت بل ۹۸ء ...... تبصرہ و تجاویز

آئین میں پندرھویں ترمیم کا بل بعض ضروری رد و بدل کے ساتھ قومی اسمبلی کے ارکان کی دو تہائی اکثریت کی منظوری کے بعد سینٹ میں حتمی منظوری کے لیے پیش کر دیا گیا ہے۔ پندرھویں ترمیم کے ابتدائی مسودہ اور منظور شدہ بل میں نمایاں ترین فرق، دستور کے آرٹیکل ۲۳۹ میں ترمیم کی تجویز کا واپس لیا جانا ہے۔ اس کے علاوہ مجوزہ آرٹیکل '۲ ب' کی ذیلی شق '۴' کو بھی حذف کر دیا گیا ہے۔

ابتدائی مسودہ میں آئین کے آرٹیکل ۲ میں "۲ ب" کا اضافہ تجویز کیا گیا تھا جو مزید ۵ ذیلی شقات پر مبنی تھا، اب قومی اسمبلی سے منظور شدہ بل میں چونکہ ۲(ب) کی شق ۴ کو حذف کر دیا گیا ہے، اسی لیے اب تازہ ترین بل میں ۲(ب) کی ۴ ذیلی دفعات موجود ہیں۔ ان کی زبان، اسلوب یا الفاظ میں ذرا برابر تبدیلی نہیں کی گئی اور یہ ابتدائی مسودہ کے سو فیصد عین مطابق ہیں۔ قومی اسمبلی کے منظور کردہ آرٹیکل ۲۔ب کا تازہ ترین متن حسب ذیل ہے :

"۲۔ب : قرآن وسنت کی برتری

(۱) قرآن مجید اور حضور اکرم ﷺ کی سنت پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون ہوگا۔

تشریح : کسی مسلمان فرقہ کے شخصی قانون (پرسنل لاء) پر اس شق کے اطلاق میں "قرآن وسنت" کی عبارت کا مفہوم وہی ہوگا جو اس فرقہ کی تعبیر و توضیح پر مبنی ہے۔

(۲) وفاقی حکومت کا یہ فریضہ ہوگا کہ وہ شریعت کے نفاذ کے لیے اقدام کرے، صلوٰۃ قائم کرے، زکوٰۃ کا اہتمام کرے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یہ تعین کرنا کہ کیا صحیح ہے اور اسے روکنا جو غلط ہے) کو فروغ دے، ہر سطح پر بدعنوانی کا خاتمہ کرے اور اسلام کے اصولوں کی مطابقت میں جیسا کہ قرآن وسنت میں موجود ہیں، حقیقی سماجی معاشی انصاف فراہم کرے۔

(۳) اس آرٹیکل میں شامل کوئی امر غیر مسلموں شخصی قانون، مذہبی آزادی کی روایات، رسم ورواج اور بطور شہریوں کے ان کی حیثیت کو متاثر نہیں کرے گا۔

(۴) اس آرٹیکل کے احکام دستور میں شامل کسی امر کے باوجود کسی قانون یا عدالت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے کسی فیصلے پر مؤثر ہوں گے۔"

قومی اسمبلی سے منظور شدہ بل سے اس آرٹیکل میں پہلے سے شامل جو عبارت یا ذیلی شق حذف کردی گئی ہے، اس کا متن درج ذیل ہے :

"۲۔ب...... ۳ :وفاقی حکومت شقات "ا" اور "۲" میں دیے گئے احکام کے نفاذ کے لیے ہدایات (Directive) جاری کر سکے گی اور مذکورہ ہدایات پر عمل پیرا نہ ہونے پر کسی بھی سرکاری عہدیدار کے خلاف ضروری کارروائی کی جا سکے گی"

شریعت بل کے ترمیم شدہ متن پر اعتراضات و خدشات اور تبصرہ

مندرجہ بالا بل کے متعلق زبان و بیان کے حوالے سے حسب ذیل معروضات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا :

(۱) آئین کی پندرہویں ترمیم کے توسط سے آئین میں حقیقی ترمیم یا اضافہ ۲ب......ا کی پہلی سطر یہ ہے یعنی "قرآن مجید اور حضور اکرم ﷺ کی سنت پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون ہوگا" اس ذیلی شق کی تشریح کے ضمن میں جو عبارت شامل کی گئی ہے وہ آئین کے آرٹیکل ۲۲۷ میں سو فیصد انہی الفاظ میں پہلے سے موجود ہے۔ اس کا دہرانا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ شاید حکومت نے مختلف فرقوں کی طرف سے تنقید سے بچنے کی پیش بندی کے طور پر اس تشریح کو دوبارہ شامل کرنا مناسب سمجھا ہے۔ بہر حال یہ امر آئین سازی کے عمل میں ایجاز و اختصار کو پیش نظر رکھنے کے بنیادی اصول سے مطابقت نہیں رکھتا۔

(۲) ذیلی شق ۲ب...... ۲، بعض الفاظ کے ردوبدل یا اضافہ کے باوجود آئین کے آرٹیکل ۳۱ میں ذیلی شقات ۲(بی) اور ۲(سی) سے بہت مماثلت رکھتی ہے جس میں نظام صلوٰۃ اور مساجد کے نظام کو اسلامی طرز زندگی کے مطابق ڈھالنے کی بات کی گئی ہے۔ البتہ قابل نفاذ اور مؤثر ہونے کے حوالے سے ان دونوں میں خاصا فرق ہے کیونکہ آرٹیکل ۳۱ پالیسی کے اصولوں تک محدود ہے۔

آرٹیکل ۲ب...... ۲ میں موجود الفاظ امر بالمعروف اور نهی عن المنکر کے بارے میں یہ نشان دہی کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پندرہویں ترمیم کے بل میں انگریزی اور اردو زبان میں، ان الفاظ کے بعد قوسین میں جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ ان عربی الفاظ کے مفہوم میں تحریف دکھائی دیتا ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں جو ترجمہ دیا گیا ہے وہ وزارت مذہبی امور کی طرف سے تقسیم شدہ ڈرافٹ سے نقل کیا گیا ہے۔ اس ترمیم کے انگریزی متن میں امر بالمعروف، کا ترجمہ "To Prescribe What is Right" کیا گیا ہے اور اردو میں یہ ترجمہ "یہ تعین کرنا کہ کیا صحیح ہے؟" کے الفاظ کی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورت میں دیا گیا ہے۔ امر بالمعروف کا لغوی اور اصطلاحی مطلب سامنے رکھا جائے تو یہ دونوں ترجمے ناقص اور مغالطہ آمیز نظر آتے ہیں۔ اردو زبان میں امر بالمعروف کا ترجمہ عام طور پر "نیکی کا حکم دینا" کیا جاتا ہے۔ Prescribe "بیان کرنا" کے معنوں میں ہوتا ہے۔ "بیان کرنے" اور "حکم دینے" میں جو فرق ہے وہ محتاجِ وضاحت نہیں ہے۔ وزارتِ مذہبی امور نے اردو کے متن میں "تعین کرنا کہ کیا صحیح ہے" ترجمہ کیا ہے جو نہ تو "امر بالمعروف" کا مخصوص مفہوم واضح کرتا ہے اور نہ ہی یہ انگریزی متن کے الفاظ Prescribe کا ترجمہ ہے۔ کسی بات کا تعین کرنا کہ وہ صحیح ہے یا نہیں، اس بات سے مختلف ہے کہ کسی بات کے کرنے کا عملاً حکم دینا۔ قرآن وسنت کے مطابق معروفات تو پہلے سے تعین شدہ ہیں، حکومت ان کے نئے سرے سے تعین کرنے کی مجاز نہیں ہوتی، وہ تو ان پر عملدرآمد کرانے کی حد تک ذمہ دار ہے۔ 'امر' کا لفظ واضح طور پر حتماً نفاذ کا مفہوم دے رہا ہے۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ پندرہویں ترمیم جیسے اہم مسودہ کی تیاری میں ماہرین قانون نے ان باتوں سے صرفِ نظر کیا ہے۔ یہ فروگذاشت نتیجہ ہے ہمارے قانون سازوں کی عربی زبان سے لاعلمی کا یا بصورتِ دیگر ذہنی تحفظات کا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر علماء کے معروف '۲۲ نکات' میں بھی ملتا ہے جو انہوں نے آئینی تجاویز کے ضمن میں ۱۹۵۱ء میں حکومت کو پیش کیے تھے...... راقم کے سامنے ان ۲۲ نکات کا انگریزی میں متن موجود ہے جس میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا انگریزی ترجمہ "To direct What to do and What not to do" دیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ پندرہویں ترمیمی بل کے مقابلے میں بدرجہا بہتر اور درست ہے۔ مذکورہ بالا غلط ترجمہ کی وجہ سے بہت سے علماء، جو شریعت بل کے حامی ہیں، نے بھی حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے چونکہ وہ کسی بھی صورت میں حکومت کو یہ حق تفویض کرنے کے حق میں نہیں ہیں کہ وہ اس بات کا تعین خود کرے کہ کیا درست ہے اور کیا غلط۔ بعض علماء نے اسے حکومت کی طرف سے "مداخلت فی الدین" کے حق کو قانونی شکل دینے کے مترادف قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں اگر بالفرض کسی بات کے متعلق درست ہونے یا نہ ہونے کا تعین کرنے کا مسئلہ درپیش ہو تو یہ فریضہ اعلیٰ عدالتوں یا قرآن سنت سے واقفیت رکھنے والے علماء کو سونپا جانا چاہئے نہ کہ سرکاری حکام کو۔ ایک معروف عالم دین نے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اگر حکومتِ وقت یہ استحقاق حاصل کرلے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ جیسے ائمہ سنت کو قید اور کوڑوں کی سزائیں جائز اور درست قرار پائیں گی کیونکہ حکومتِ وقت ان کو درست سمجھتی تھی۔ اگرچہ اب حالات مختلف ہیں لیکن پھر بھی ان خدشات کو قطعی طور پہ بے بنیاد قرار دینا مشکل ہے اور نہ ہی، آج نہیں تو بعد کے حکمرانوں کی طرف سے اس طرح کے ظلم واستبداد کے امکانات کو رد کیا جاسکتا ہے۔ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا کہ پاکستان میں ہمیشہ اسلام پسند برسراقتدار رہیں گے۔ ماضی قریب میں مصر،

 محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترکی، الجزائر، تیونس اور خود پاکستان میں سیکولر حکمرانوں نے علماء اور اسلام پسند شہریوں پر جو ظلم و ستم ڈھائے ہیں، وہ باخبر افراد کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ مصر کے ممتاز عالم دین سید قطب کو پھانسی کی سزا دی گئی، جماعت اسلامی کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو قادیانیت کے خلاف ایک پمفلٹ لکھنے پر سزائے موت سنائی گئی۔ اسلئے ضروری ہے کہ شریعت بل کے اس لغوی اور اصطلاحی سقم کو دور کیا جائے۔

(۳) سینٹ میں زیر منظوری آرٹیکل ۲(ب) کی ذیلی شق '۳' قانون سازی کی زبان میں "Re-dundant" یعنی فالتو معلوم ہوتی ہے۔ آئین کی تمہید میں اقلیتوں کو واضح طور پر اپنے مذہب و ثقافت کی آزادانہ پیروی و وضاحت کی یقین دہانی کا ذکر ملتا ہے۔ تمہید کے الفاظ کو بعینہٖ قرار دادِ مقاصد میں شامل کیا گیا ہے جو اب آرٹیکل ۲(الف) کی صورت میں آئین کا مؤثر اور قابل نفاذ حصہ بن چکا ہے۔ مزید برآں بنیادی حقوق کے باب میں آرٹیکل ۲۰ کے تحت مذہبی آزادی کے تحفظ کی ضمانت پہلے سے موجود ہے۔ یہی عبارت آرٹیکل ۲۲ کی ذیلی شق (۳) میں ہوبہو موجود ہے۔ آئین کے چار مقامات پر اقلیتوں کی مذہبی آزادی کے تحفظ کے بعد آئین کی پندرھویں ترمیم میں پانچویں مرتبہ ایک ہی بات کا دہرانا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ غالباً حکومت بعض اقلیتی تنظیموں، جو کہ مغربی سرمائے پر چل رہی ہیں، کے بے جا شور و غل اور احتجاج سے مرعوب و متاثر ہونے کے بعد یہ ذیلی شق لانے پر مجبور ہو گئی ہے۔

یہ اقلیتی تنظیمیں در حقیقت اپنے بنیادی حقوق کی پامالی کے متعلق زیادہ پریشان نہیں ہیں بلکہ وہ اس ملک کی ۹۷ فیصد اکثریت کا اپنے مذہب و ضمیر کے مطابق قانون سازی یا زندگی گزارنے کا حق تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ حکومت کو ان کے احتجاج کا معروضی جائزہ لیکر قانون سازی کرنی چاہئے۔ اب جب کہ یہ متحرک این۔جی۔اوز مندرجہ بالا ذیلی شق کی شمولیت کے باوجود مطمئن نہیں ہیں، تو خوامخواہ آئین کا پیٹ بھرنے کا فائدہ کچھ نہیں ہے۔ حکومت نے جب نفاذِ شریعت کا بیڑہ اٹھانے کا تہیہ کر لیا ہے تو پھر اس طرح کے معذرت خواہانہ اقدامات سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ اسلام دشمنوں کو مطمئن کرنا ناممکنات میں سے ہے۔

(۴) شریعت بل کے ابتدائی مسودہ میں خاطر خواہ تبدیلیاں لانے اور قومی اسمبلی سے نظر ثانی شدہ بل کی منظوری کے باوجود اس موجودہ بل کا جو حصہ اب تک تنقید کا نشانہ بنا ہوا ہے، وہ ذیلی شق ۲ ب ۴ ...... ہے۔ سیکولر طبقہ کی طرف سے اس پر تنقید تو خلافِ توقع نہیں ہے کیونکہ انہوں نے بہر حال اسلامی قانون سازی کو روکنے کے لیے تنقید برائے تنقید کا شغل جاری رکھنا ہے۔ البتہ بعض حامیانِ شریعت نے بھی اس ذیلی شق کے متعلق عدمِ اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک دونوں طبقات کی تنقید اصولی ہونے سے زیادہ بے جا خدشات پر مبنی ہے۔ مذکورہ شق کا اُردو ترجمہ سطور بالا میں دیا گیا ہے، مختلف اعتراضات کا معروضی جائزہ لینے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا انگریزی متن

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی سامنے رکھا جائے جو حسبِ ذیل ہے :

2-B (4): The provision of this Article shall have effect not withstanding any thing contained in the constitution, any Law or Judgement of any court"

مجوزہ آرٹیکل ۲ (ب) بالعموم اور مندرجہ بالا ذیلی شق ۲ (ب) (۴) کے متعلق بالخصوص جو اعتراضات وارد کیے گئے ہیں۔ ان سب کا محاکمہ تو بے حد مشکل ہے البتہ بعض منتخب اعتراضات کی تفصیل اور ان کے بارے میں رائے کا اظہار اس مسئلے کی تفہیم کے لیے مناسب ہو گا۔

معروف قانون دان ایس ایم ظفر صاحب نے اپنا ردعمل بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ دستور کا آرٹیکل ۲ (ب) آئین کے دیگر تمام آرٹیکلز کو "یرغمال" بنا لے گا۔ انہوں نے بالخصوص "آئین، قانون، یا عدالتی فیصلہ کے باوجود" کے جملہ کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ ان کے خیال میں اس سے عدالتوں کے اختیارات پر قدغن عائد کی گئی ہے۔ ایک اور قانون دان عبدالحفیظ پیرزادہ نے رائے ظاہر کی ہے کہ آئین کی پندرھویں ترمیم پورے آئین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے گی۔ جناب ایس ایم ظفر صاحب نے اپنی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مثال دی کہ آئین میں عورت کے وزیراعظم بننے پر اس وقت کوئی پابندی نہیں ہے لیکن آئین کی پندرھویں ترمیم کی منظوری کے بعد یہ کہہ کر یہ پابندی عائد کی جا سکتی ہے کہ اسلام میں عورت کے وزیراعظم بننے کا جواز نہیں ہے۔ (روزنامہ ڈان، ۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۸ء)

مندرجہ بالا اعتراضات کے بارے میں دو نکات پیش خدمت ہیں :

(i) جناب ایس ایم ظفر صاحب اور دیگر حضرات جو قانونی پیشہ سے وابستہ ہیں، وہ اس بات کی تردید نہیں کر سکیں گے کہ "آئین یا عدالتوں کے فیصلہ کے باوجود" کے الفاظ پہلی مرتبہ آرٹیکل ۲ (ب) میں شامل نہیں کیے جا رہے۔ آئین کے متعدد آرٹیکلز میں اس طرح کی پابندیاں عائد کرنے والی شقات پہلے سے موجود ہیں :

"Not withstanding any thing in the constitution"

کے الفاظ آئین کے آرٹیکل ۲۳۴، ۲۳۵، ۴۸ اور کچھ عرصہ پہلے تک آرٹیکل ۵۸ اور دیگر مقامات وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور جہاں تک عدالتوں کے دائرہ کار کو محدود کرنے کی بات ہے، اس کا ذکر بھی متعدد آرٹیکلز میں ملتا ہے۔ آرٹیکل ۲۴۵ جو سول حکومت کی معاونت کے لئے فوج بلانے کی بات کرتا ہے، اس میں واضح طور پر موجود ہے کہ اس ضمن میں وفاقی حکومت کی ہدایات کی قانونی حیثیت کو کسی بھی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جائے گا۔ اور وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار کو تو بہت حد تک آرٹیکل ۲۰۳ میں محدود کر دیا گیا ہے۔ ایسی پابندیاں دیگر آرٹیکلز میں بھی موجود ہیں۔ البتہ ۲ (ب) کی ذیلی شق

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) میں "عدالتی فیصلہ" کے الفاظ غالباً نئے ہیں لیکن ان کا مفہوم دیگر شقات سے بہت مختلف نہیں ہے۔.......... اور "عدالت کے کسی بھی فیصلے" جیسے الفاظ کو آئین میں شامل کرنے کا ایک خصوصی پس منظر ہے جس سے ایس ایم ظفر صاحب بھی بخوبی واقف ہیں۔ جن لوگوں نے جسٹس نسیم حسن شاہ صاحب کا حاکم کیس میں فیصلہ دیکھا ہے، وہ مذکورہ الفاظ کی شمولیت کی ضرورت وافادیت سے انکار نہیں کرسکتے۔ یہ ذیلی شق درحقیقت اپنی الگ قوت نہیں رکھتی بلکہ یہ آرٹیکل ۲(ب) کی ذیلی شق "ا" میں "سپریم لاء" کی اصطلاح کو مزید واضح اور قوت دار "Forceful" بنانے کے مقصد کے پیش نظر ڈالی گئی ہے۔ کیونکہ ماضی میں ہماری اعلیٰ عدالتوں نے بعض اوقات سیکولر تعبیرات کیں اور ان کے نتیجے میں شریعت کے استخفاف کا مفہوم پیدا ہوتا تھا یا اسلام کے بطور "سپریم لاء" ہونے کی حیثیت متاثر ہوتی تھی، تو ان کے پیش نظر اس طرح کے خدشات کا قلع قمع کرنے کے لیے مزید واضح الفاظ میں یہ ذکر کرنا مناسب سمجھا گیا ہے تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔

یہاں یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ جب اسلام کو سپریم لاء کا درجہ مل گیا تو یہ ذیلی شق "فالتو" ہو گئی۔ اس اعتراض میں وزن ہے لیکن اگر ۲(ب) کی دیگر "فالتو" شقات موجود ہیں، تو بالخصوص اس کی شق نمبر ۴ کو تنقید کا نشانہ بنانا انصاف کے تقاضوں کے منافی ہے۔

جہاں تک ایس ایم ظفر صاحب کے ان خدشات کا تعلق ہے کہ پندرھویں ترمیم کے بعد کوئی عورت پاکستان کی وزیراعظم نہیں بن سکے گی تو اس کے بارے میں یہی عرض کیا جاسکتا ہے کہ اگر اسلام میں فی الواقع عورت کے وزیراعظم بننے پر پابندی ہے، تو اس کو خدائی حکم سمجھ کر قبول کیا جانا چاہیے نہ کہ اس کے خلاف باغیانہ ردّعمل کا مظاہرہ کیا جائے۔ یہاں یہ اضافہ بھی ضروری ہے کہ چند استثنائی صورتوں کے علاوہ، قرآن وسنت کو سمجھنے والے علماء کی اکثریت کی رائے اب بھی یہی ہے کہ عورت اسلامی ریاست کی سربراہ نہیں بن سکتی۔

(۵) پاکستان کے بعض دانشور اور قانونی ماہرین جو نفاذ شریعت کے حق میں ہیں، وہ دیانتداری سے یہ سمجھتے ہیں کہ نفاذِ شریعت کے لیے آئین میں ترمیم کی ضرورت ہرگز نہیں تھی۔ اس مقصد کے لیے شریعت ایکٹ پر انحصار کیا جاسکتا تھا یا نیا ایکٹ منظور کیا جاسکتا تھا۔

ان کی عقل ودانش کے اعتراف کے باوجود راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ بعض صورتوں میں محض ایکٹ پر انحصار کرنا کافی ثابت نہیں ہوگا۔ مثلاً شرعی سزاؤں کے نفاذ کی بات کو سامنے رکھا جائے۔ پاکستان میں دانشوروں اور وکلاء کی اچھی خاصی تعداد ان سزاؤں کے نفاذ مثلاً مجرموں کو سرعام پھانسی پر لٹکانے وغیرہ کو "انسانی وقار" کے منافی سمجھتی ہے۔ آئین ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۱۴ میں یہ الفاظ ملتے ہیں :

14. "The Dignity of man shall be invoilable"

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس آرٹیکل کی بنیاد پر وہ ایسی سزاؤں کو پہلے بھی چیلنج کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی اس بات کا روشن امکان موجود ہے۔ جب تک "سپریم لاء" کے طور پر اسلام کی برتری اور فضیلت کو آئینی حیثیت نہیں دی جاتی، نفاذِ شریعت کے عظیم کام کی انجام دہی میں بے شمار قانونی اور آئینی پیچیدگیاں باقی رہیں گی۔

(۶) بعض قانون دانوں کے خیال میں آرٹیکل ۲ میں جہاں مذکور ہے کہ "اسلام پاکستان کا ریاستی مذہب ہوگا" وہاں محض دو الفاظ "سپریم لاء" ڈال دیئے جاتے تو مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ علمی اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کی یہ توجیہ درست ہے۔ لیکن پاکستان کے مخصوص سیاسی کلچر اور ایک خاص طبقہ کی مغرب سے مرعوبیت اور سیکولرزم کی حمایت کو سامنے رکھا جائے تو یہ خدشہ باقی رہتا ہے کہ محض دو الفاظ کا اضافہ شاید نت نئی قانونی موشگافیوں کا راستہ ہموار کرے گا۔ آئین کی پندرہویں ترمیم کے لائے جانے کے جو اسباب اور عوامل ہیں، ان کا معروضی جائزہ اس ترمیم کی افادیت کو ظاہر کرتا ہے۔

(۷) اسلام پسند طبقات نے پندرہویں ترمیم کے بل کی موجودہ شکل وصورت کو بالعموم سراہا ہے۔ البتہ بعض نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اس بل میں شریعت کو نافذ کرنے کے طریقہ کو وضاحت سے بیان نہیں کیا گیا۔ معروف عالم دین مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کے بقول :

"حکومت نے آئین میں پندرہویں ترمیم کا جو بل قومی اسمبلی سے منظور کرایا یہ اگرچہ اس لحاظ سے ہر مسلمان کے لیے خوش آئند ہے کہ اس میں قرآن وسنت کو بالاتر قانون تسلیم کرکے ملک کی غالب اکثریت کے جذبات اور عقائد کا احترام کیا گیا ہے لیکن چونکہ اس ترمیمی بل میں یہ واضح نہیں کیا گیا کہ کسی قانون یا عدالتی فیصلے کے قرآن وسنت کے موافق یا مخالف ہونے کا فیصلہ کون کرے گا، اس لیے ضروری تھا کہ اس ترمیمی بل میں نفاذ شریعت کا واضح طریقہ ذکر کیا جاتا لیکن افسوس کہ یہ اہم ضرورت اس ترمیمی بل میں پوری نہیں کی گئی۔ اگر ہماری حکومت نفاذِ شریعت کے معاملے میں واقعی مخلص ہے تو اسے چاہیے کہ دستور میں ترمیم کے ذریعے اس بات کی وضاحت کرے کہ قانون یا عدالتی فیصلے کے قرآن وسنت کے موافق یا مخالف ہونے کا فیصلہ کون کرے گا"

ان معروضات کے اظہار کے بعد مفتی محمد رفیع عثمانی کلماتِ تعریف یوں ادا کرتے ہیں :

"دینی جماعتوں اور تنظیموں کو حکمران جماعت کے ساتھ سیاسی اختلافات ہوسکتے ہیں لیکن یہ پہلا موقع ہے کہ دستور میں قرآن وسنت کو صریح الفاظ میں سپریم لاء قرار دیا جارہا ہے۔ اس سے نفاذ شریعت کی راہ ہموار ہوگی اور قرارداد مقاصد کی تکمیل میں مزید آسانیاں ہوں گی۔ دستور کے آرٹیکل (۲۳۹) میں ترمیم کی تجویز واپس لے کر حکومت نے ایک

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستحسن فیصلہ کیا ہے اور دستور کو بازیچۂ اطفال بننے اور من مانی ترمیموں کے خطرے سے بچایا ہے" (شریعت بل: "نئی ترمیم کے بعد" روزنامہ جنگ لاہور ۱۹/ اکتوبر)

مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے پندرہویں ترمیم کے بل کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے، دینی جماعتوں کی اکثریت نے اس سے اتفاق ظاہر کیا ہے۔

(۸) قرآن وسنت کی بالاترین قانون کی حیثیت سے نافذ کرنے کو مبارک اقدام قرار دینے کے باوجود اس کے عملی نفاذ اور عدالتوں کے تشریحاتی کردے کے بارے میں ابہام مکمل طور پر رفع نہیں کیا جاسکا ہے۔ سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کے رکن جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب نے اس ضمن میں چند غور طلب مسائل اٹھائے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

"قرآن وسنت کو دستوری طور پر "سپریم لاء" تسلیم کرنا بلاشبہ قابل خیر مقدم ہے لیکن سوال یہ ہے کہ دستور میں اس دفعہ کے لکھ دینے سے کیا عملی اثرات مرتب ہوں گے؟ اور عملی طور پر قرآن وسنت کی بالاتری کو کس طرح نافذ کیا جائے گا؟ اس کے بارے میں یہ دفعہ (۲ب) بالکل خاموش ہے ……… اس کا منطقی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ رائج الوقت قوانین میں سے جو قوانین قرآن وسنت سے متصادم ہوں گے، وہ قابل عمل نہ ہوں گے، بلکہ ان کی جگہ قرآن وسنت پر مبنی قانون واجب العمل ہوگا۔ یہ صورت بھی یقیناً خوش آئند ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس پر عمل کا طریقہ کیا ہوگا؟ یہ فیصلہ کون کرے گا کہ کون سا رائج الوقت قانون قرآن و سنت سے متصادم ہے؟ کیا ملک کی ہر عدالت خواہ وہ مجسٹریٹ یا سول جج یا سیشن جج کی سطح کی ہو، اس بات کی مجاز ہوگی کہ وہ کسی بھی قانون کے بارے میں فیصلہ دے دے کہ یہ قانون قرآن وسنت سے متصادم ہونے کی بنا پر قابل عمل نہیں ہے۔ اگر ہر چھوٹی سے چھوٹی عدالت کو یہ اختیار دینا مقصود ہے تو کیا موجودہ عدالتوں کی تعلیم وتربیت اس طرح ہوئی ہے کہ وہ درست طور پر ایسے فیصلے کرسکیں۔ اگر مقصد یہ نہیں ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ صرف ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کی سطح کی عدالتوں کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار ہوگا تو اول تو دستور میں اس کی صراحت ہونی چاہئے، دوسرے اس صورت میں وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بنچ کا مصرف کیا رہ جائے گا؟ بہ حالاتِ موجودہ دستورِ پاکستان میں کسی قانون کو قرآن وسنت سے متصادم ہونے کی بنا پر منسوخ کرنے کا اختیار صرف وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بنچ کو حاصل ہے۔ اگر موجودہ پندرہویں ترمیم کے بعد بھی یہ اختیار صرف انہی عدالتوں کو حاصل رہتا ہے تو اس ترمیم سے نیا فائدہ کیا حاصل ہوگا"

"مجوزہ پندرھویں ترمیم کے نفاذ کے بعد یہ بنیادی سوالات بدیہی طور پر پیدا ہوں گے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جب تک ان کا واضح جواب خود دُستور میں موجود نہ ہو، اس سے عدالتی سطح پر شدید ابہام (Confusion) پیدا ہوگا۔ عرصہ دراز تک عدالتیں اس دفعہ کی تشریح و تعبیر میں حیراں و سرگرداں رہیں گی" (ماہنامہ الصیانۃ/اکتوبر ۹۸ء)

مولانا تقی عثمانی صاحب نے پندرہویں ترمیم کے بل میں موجود "خلا" کی نشاندہی کی ہے، جہاں تک اس بل کی افادیت کا تعلق ہے، اس سے انہیں بھی انکار نہیں ہے۔ ان کی معروضات وقیع ہیں لیکن اس کیلئے آئین میں ترمیم کا مزید بل لانے کی ضرورت ہے۔

(۹) دس جماعتوں کے نمائندوں نے پندرہویں آئینی ترمیم کی درستگی کے لئے چند تجاویز حکومت کے غوروفکر کے لئے مرتب کی تھیں۔ "محدث" کے اکتوبر کے شمارے میں یہ شائع بھی ہوئیں۔ ان کی ایک اہم سفارش یہ تھی کہ اس جملے "قرآن و سنت پاکستان کے اعلیٰ ترین قانون ہوں گے" کے متصلاً بعد یہ الفاظ "کوئی قانون بشمول دستوری قانون یا کوئی رسم و رواج جس کی قانونی حیثیت ہو، اگر وہ قرآن و سنت کے متضاد ہو تو وہ اس تضاد کی حد تک کالعدم ہوگا" لائے جائیں۔ ان کے خیال میں اس طرح آرٹیکل ۲ب کی مثبت حیثیت کے ساتھ اس کی سلبی حیثیت (Prohibition) بھی واضح ہو جائے گی۔ قومی اسمبلی سے منظور شدہ بل میں یہ پہلو شامل نہیں کیا گیا۔

بعض آئینی ماہرین کی رائے میں آئین کا آرٹیکل ۲۲۷ یہ مقصد پورا کرتا ہے لیکن یہ رائے درست نہیں ہے بلکہ ضروری تھا کہ اس سلبی جملے کو ترمیم میں شامل کیا جاتا کیونکہ آرٹیکل ۲۲۷ کی ذیلی شق (۲) میں یہ (Provision) موجود ہے کہ اس آرٹیکل پر عملدرآمد اس طریقہ کار کے مطابق کیا جائے جو آئین کے اس حصہ میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں بنیادی حقوق کے ضمن میں اگر آرٹیکل ۸ میں یہ سلبی شرائط موجود ہیں کہ بنیادی حقوق سے عدم مطابقت رکھنے والا کوئی قانون اس تضاد کی حد تک کالعدم (Viod) تصور ہوگا۔ تو اسلامی قانون کی بالاتر حیثیت کیلئے موجودہ ترمیم میں یہ اضافہ ہونا ہی چاہئے۔

(۱۰) آرٹیکل ۲(ب) کے اضافے کے ساتھ اگر آرٹیکل ۸ میں ذیلی شق (۶) کا اضافہ کر دیا جاتا کہ "بنیادی حقوق کا تعین قرآن و سنت کی روشنی میں کیا جائے گا" تو بنیادی حقوق کی وسعتوں کی تحدید ہو جاتی اور ظہیر الدین کیس میں سپریم کورٹ نے جو رائے دی تھی کہ بنیادی حقوق اسلام کے تابع ہیں، اس کو آئینی حیثیت بھی مل جاتی۔ یہ بات آئین کی پندرہویں ترمیم کے متعلق اسی تصور پر مبنی ہے کہ اسلام کو آئین میں ضروری تحفظات فراہم کر دئے جائیں تاکہ اس عدمِ صراحت سے کوئی من مانا مطلب اخذ نہ کیا جاسکے۔ وگرنہ قرآن و سنت کے سپریم لاء بن جانے کے بعد بنیادی حقوق خود بخود اسلام کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اب آرٹیکل ۲۵ کے تحت مساواتِ مرد و زن کے تصور کی تعبیر بھی قرآن و سنت کی روشنی میں کرنی پڑے گی۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آئین کی پندرھویں ترمیم میں باقی بعض نقائص کی نشاندہی، اس کی حمایت و مخالفت میں آراء اور اس کے متعلق خدشات اور اس کی ضرورت کا جائزہ لینے کے بعد آنے والی سطور میں درج ذیل نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے :

(۱) پندرہویں آئینی ترمیم کی منظوری کے بعد اس کی فوری افادیت اور اہمیت

(۲) پاکستان میں نفاذِ شریعت کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والے اہم طبقات کی نشاندہی اور ان کے منفی کردار کو کم کرنے کے متعلق تجاویز

(۳) سینٹ اور شریعت بل......نفاذِ شریعت کے لیے مطلوبہ عزم

اسلامی تشخص کے حوالے سے حاصل ہونے والے فوائد

(۱) پاکستان کے سیکولر طبقہ کی ہاؤہو، مغرب زدہ خواتین کی متحرک اقلیت کی آہ وبکا، سابق خاتون وزیر اعظم کی امریکی صدر بل کلنٹن کو تحریری درخواست، شریعت بے زار نام نہاد دانشوروں کی قانونی موشگافیوں، بعض تنخواہ دار اقلیتی شرپسندوں کی بلاجواز صدائے احتجاج، میاں نواز شریف سے ناراض بعض مذہبی راہنماؤں کے عدم تعاون اور نظریہ پاکستان کے مخالف قوم پرست راہنماؤں کے دھمکی آمیز بیانات کے باوجود اگر حکومت قومی اُمنگوں کی تکمیل کو ترجیح دیتے ہوئے قومی اسمبلی سے نفاذِ شریعت بل پاس کروانے میں کامیاب ہوئی ہے تو اس کا یہ قدم پاکستان کی اسلامی قانون سازی کی تاریخ میں ایک تاریخی اور غیر معمولی کارنامہ کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

(۲) اس کامیابی کی فوری برکات میں ایک یہ بھی ہے کہ پاکستان میں مغرب کی قانونی روایت سے مرعوب و متاثر ایک مخصوص روشن خیال طبقہ، جسے پاکستانی ثقافت کو بین الاقوامی دھارے میں شامل کرنے کا جنون لاحق ہے، اب اس فنکارانہ عیاری سے تعبیرات و تاویلات کے ذریعے جدید مغربی قوانین اور افکار کے مقابلے میں قرآن وسنت پر مبنی قوانین کی تحقیر کا شرمناک شغل جاری نہیں رکھ سکے گا اور نہ ہی منصبِ قضاء پر متمکن کوئی "روشن دماغ" دستورِ پاکستان کی اسلامی دفعات کی دیگر دفعات کے ساتھ برابری اور عمومی حیثیت کا راگ الاپ سکے گا۔ اس اعتبار سے آئین کی پندرھویں ترمیم عدالتی سیکولرازم کی حوصلہ شکنی کا باعث بھی بنے گی۔

(۳) موجودہ ترمیم پاکستانی سماج کی لرزہ بر اندام عمارت کی طرف لادینیت اور مغربی لباحیت کے بڑھتے ہوئے خوفناک ریلے کو پیچھے دھکیلنے کی ایک اہم کاوش ہے۔ پارلیمنٹ سے پندرھویں ترمیم کے پاس ہونے کے بعد حکومت بالفرض دیگر عملی اقدامات سے کوتاہی برتتی ہے، تب بھی اس کی اہمیت اور فوائد اپنی جگہ پر قائم رہیں گے۔ درحقیقت ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد کی منظوری کی شکل میں پاکستان

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اسلامی معاشرے کے قیام کی جو خشتِ اوّل رکھی گئی تھی، پندرھویں ترمیم اس قانونی عمارت کے ایک اہم حصہ کی تعمیر کا درجہ رکھتی ہے۔ سیکولرازم اور مادیت پسندی کی یلغار سے برسرپیکار پاکستانی معاشرہ اسلامی تشخص کی بحالی کی طرف ایک بہت بڑا اقدام اٹھانے کے قابل ہو سکتا ہے، بشرطیکہ صدقِ دل سے قانون سازی کے ذریعے سے اس آئینی ترمیم کے تقاضے پورے کئے جائیں۔

(۴) جب سے امتِ مسلمہ سیاسی عروج اور علمی قیادت کے منصب سے محروم ہوئی ہے، اس وقت سے لے کر اب تک جو عظیم ترین اور مشکل ترین مسئلہ اسے درپیش رہا ہے، وہ نفاذ شریعت کا مسئلہ ہے۔ اسلامی شریعت کی گاڑی مسلمانوں کی اپنی غفلت اور کوتاہی عمل کی بنا پر کچھ اس انداز میں پٹڑی سے اتری ہے کہ دوبارہ اپنی جگہ پر واپس نہیں پہنچ سکی ہے۔ نفاذِ شریعت کا مسئلہ محض نظری اور فکری مباحث کا مسئلہ نہیں ہے، یہ درحقیقت امت مسلمہ کے وجود، روح اور تشخص کی بقاء کا اہم ترین روشن نکتہ ہے۔ یورپ زبان، رنگ و نسل اور علاقے وغیرہ کو ایک قوم کے اجزائے ترکیبی قرار دینے پر جتنا بھی اصرار کرے، گذشتہ پچاس برسوں کی تاریخ میں مغربی لبرل جمہوری نظام اور روسی اشتراکی نظام کے درمیان جس قدر سرد جنگ برپا رہی ہے، اس کے پس پشت اہم کردار "نظریات" نے ہی ادا کیا ہے۔ روس کے مقابلے میں امریکہ اور مغربی یورپ کے ترقی یافتہ ممالک کا اتحاد نظریاتی بنیادوں پر قائم ہوا نہ کہ علاقائی بنیادوں پر۔ چین کے بارے میں ایک یورپی باشندے کا پہلا تاثر اس کے اشتراکی تشخص کے بارے میں قائم ہوتا ہے نہ کہ اس کے زرد نسل یا کوتاہ قامت قوم ہونے کا۔ آج اگر مسلمان اپنا الگ وجود قائم رکھنے میں کسی بھی درجے میں سنجیدہ ہیں تو ان کی بقا کا تمام تر انحصار ان کی نفاذِ شریعت کے نصب العین سے وابستگی پر ہے۔

(۵) امتِ مسلمہ بالعموم اور پاکستان کے عوام بالخصوص، عرصہ دراز سے نفاذِ شریعت کے خواب دیکھتے آئے ہیں، وہ اب تک اسی موہوم امید کے سہارے زندہ ہیں کہ ان کی زندگیوں میں اسلامی نظام کا چراغ ایک دفعہ پھر ضوفشانی کرے گا، شریعت بل سے ان کی امیدوں کے بجھے ہوئے چراغوں میں روشنی کی ایک لو پھر سے روشن ہو گئی ہے، اب ضرورت اس کو حقیقی رنگ و نور عطا کرنے کی ہے۔

(۶) پاکستان میں پندرھویں ترمیم کی منظوری کے بعد ان عناصر کی حوصلہ شکنی ہو گی جو آج بڑے دھڑلے سے اسلامی شعائر کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے دلوں پر اسلامی قوانین کی ہیبت اور دبدبہ قائم ہو جائے گا۔ ان کی اباحیت مطلقہ اور بے باکی میں کمی واقع ہو جائے گی۔ لیکن یہ بھی تب ہی ہو گا جب حکومت اس سلسلے میں مخلصانہ اقدامات بروئے کار لائے گی۔

(۷) مزید برآں ایک ایسے دور میں جب اقوامِ متحدہ کے نام نہاد انسانی حقوق کے اعلامئے کو کرۂ ارض میں بسنے والے تمام انسانوں کی ہدایت کا واحد قابل اعتبار معیار قرار دیئے جانے کا پروپیگنڈہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے عروج پر ہو اور روشن خیالی کے اس عالمی جنون میں مذہبی قوانین کو امتیازی قوانین کہہ کر ان کی مذمت کی جارہی ہو، پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں نفاذِ شریعت کے ایک نئے دور کے آغاز کا بانگِ دہل اعلان کیا جائے، تو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ امریکی کانگریس نے حال ہی میں قانون پاس کیا ہے جس کی رو سے امریکی حکومت کسی بھی ملک کے امتیازی قوانین کو ختم کرانے کے لیے بھرپور اقدامات کرنے کی مجاز قرار پائی ہے۔ ان حالات میں پندرھویں ترمیم امریکی استعمار کے ان عزائم کے خلاف ایک کھلم کھلا بغاوت اور سرکشی کے مترادف ہے۔ مغرب کی ثقافتی استعماریت اور جارحانہ خود پسندی کے خاتمے کی غرض سے اسلامی دنیا میں جو بھی قدم اٹھایا جائے گا، اسے مستحسن ہی کہنا چاہیے۔

....(۲)..........................

شریعت کی راہ میں مزاحم طبقات

تحریکِ پاکستان کے دوران محمد علی جناح اور دیگر مسلمان اکابرین نے متعدد بار اسلام کو اپنی منزل، قرآن و سنت اور اسلامی تہذیب و تمدن کی بالادستی کے قیام کو پاکستان کا مشن اور ہدف قرار دیا۔

۱۹۴۵ء میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سرحد کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے محمد علی جناح نے واضح طور پر کہا :

> "پاکستان کا مطلب صرف آزادی و حریت کا حصول نہیں ہے بلکہ اسلامی نظریے کا تحفظ بھی ہے جس کو محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ یہ قیمتی تحفے اور بیش بہا خزانے ہمیں ورثے میں ملے ہیں"

اسی سال عیدالفطر کے موقع پر مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا :

> "بجز ان لوگوں کے جو بے خبر ہیں، ہر شخص آگاہ ہے کہ قرآن مجید مسلمانوں کا ہمہ گیر وبالاتر قانون اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ مذہبی بھی، معاشی و معاشرتی بھی، دیوانی بھی، فوجداری بھی، تجارتی بھی، عدالتی اور تعزیری بھی ...... یہ ضابطہ زندگی کی ایک ایک چیز کو باقاعدگی اور ترتیب عطا کرتا ہے"

آپ کے سینکڑوں بیانات نظریہ پاکستان کے اس تصور کو واضح کرتے ہیں۔ لیکن آج ایک مخصوص طبقہ پاکستان میں "قائد اعظم کا اسلام" نافذ کرنے کا نامعقول مطالبہ کر رہا ہے۔ گویا آپ کسی مخصوص اسلامی نظریے کے حامی و مؤید تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد علی جناح کے سامنے قرآن و سنت کی تعلیمات سے مخالف و متصادم نفاذِ شریعت کا کوئی نقشہ نہیں تھا۔

پاکستانی معاشرے کی اسلامی قوانین کے تحت صورت گری کے عظیم مشن کا نئے عزم سے آغاز

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے سے پہلے یہ بھی ضروری ہے کہ ان اسباب و عوامل اور طبقات کی نشاندہی کی جائے جو پاکستان میں نفاذِ شریعت کی راہ میں اب تک رکاوٹ بنے رہے ہیں :

(۱) اشتراکی شر پسند : قیامِ پاکستان کے فوراً بعد نئی مملکت خداداد کی دستوری بنیادوں کے تعین و تشکیل کے کام کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے جس طبقہ نے پاکستان کے اسلامی تشخص کو نشانہ بنایا، وہ اشتراکی طبقہ تھا۔ مسلم لیگ کی صفوں میں گھسے ہوئے اشتراکی شر پسندوں نے میاں افتخار الدین کی قیادت میں پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے کے لیے جارحانہ پروپیگنڈہ کا آغاز کر دیا۔ ان حضرات نے دستور ساز اسمبلی میں مسلسل اودھم مچائے رکھا۔ ہندو اور عیسائی اقلیت سے تعلق رکھنے والے بعض ارکانِ اسمبلی کو اشتراکیوں کی پشت پناہی حاصل رہی ۔ مارچ ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد منظور ہو گئی اور پاکستان کے اسلامی تشخص اور حیثیت کی دستوری بنیاد رکھ دی گئی مگر اشتراکی شر پسندوں کی ریشہ دوانیوں میں کبھی کمی نہ آئی۔ اشتراکی فلسفہ مذہب کو افیون سمجھتا ہے۔ لہٰذا مذہب کی مخالفت اشتراکیوں کا ''دین و ایمان'' ہے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ترقی پسندی کے نام پر اشتراکی ادیبوں ، شاعروں اور دانشوروں نے نظریہ پاکستان کے خلاف ادب و سیاست ، معیشت و معاشرت ، غرض ہر شعبہ میں زہریلے پروپیگنڈہ کو جاری رکھا۔ ایوب خان کے مارشل لاء کے دوران سرکاری سطح پر ان کی سرپرستی کی گئی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں سوشلزم کو ''ہماری معیشت'' کا درجہ مل گیا تو اشتراکیوں کی سرگرمیوں کا دائرہ بھی وسیع تر ہو گیا۔ ۱۹۷۷ء میں ضیاء الحق کے مارشل لاء کے نفاذ سے وقتی طور پر اشتراکی پس منظر میں چلے گئے لیکن ۱۹۸۵ء کے بعد سیاسی اور جمہوری آزادیوں کے احیاء سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اشتراکی گماشتے دوبارہ متحرک ہو گئے۔ ۱۹۸۹ء میں سوویت یونین کے خاتمے کے باوجود پاکستان کا اشتراکی طبقہ اپنی پرانی ڈگر پر قائم ہے۔ وہ اب بھی اسلام کی مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ پاکستان کے چاروں صوبوں میں قوم پرست تحریکوں کے راہنما مثلاً اجمل خٹک ، رسول بخش پلیجو ، تاج لنگاہ اور خیر بخش مری وغیرہ ماضی میں اشتراکیت کے پرچارک رہے ہیں ، حال میں بھی نفاذِ شریعت بل کی سب سے زیادہ مخالفت انہی قوم پرستوں کی طرف سے کی گئی ہے۔

(۲) سیکولر طبقہ : دوسرا طبقہ سیکولر اور لادین خیالات کا مالک ہے۔ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد اسلام سے ایک رسمی سا تعلق ضرور رکھتے ہیں لیکن ان کی فکر کا اصل سرچشمہ تہذیب مغرب ہے۔ چرچ اور ریاست کی علیحدگی ان کی فکر کا بنیادی نقطہ ہے ، مذہب کو یہ محض شخصی معاملات تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کی اسلامی حیثیت ان کے نزدیک ''مذہبی فسطائیت اور علماء کی پاپائیت کو دستوری پذیرائی'' عطا کرنے کے مترادف ہے۔ سیکولر طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد صحافت ، سیاست ، تعلیم معیشت اور ہمیشہ اقتدار کے ایوانوں میں متمکن رہے ہیں ، پاکستان میں اسلامی قانون سازی کے خلاف یہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طبقہ ہمیشہ جدو جہد میں مصروف رہا ہے۔ اس وقت بھی بر سر اقتدار طبقہ میں سیکولر افراد کا تناسب بے حد زیادہ ہے۔

(۳) نوکر شاہی: کسی بھی نظام یا دستور کے مؤثر نفاذ کے لیے قوتِ نافذہ کا کردار بے حد اہم ہے۔ آج کی جدید ریاست میں "بیورو کریسی" قوتِ نافذہ کے فرائض انجام دیتی ہے۔ فرنگی سامراج کی تربیت یافتہ بیورو کریسی پاکستان بننے کے بعد بھی اپنی سابقہ روایات سے چمٹی رہی ہے۔ اپنی اجتماعی سوچ کے اعتبار سے بیورو کریسی مغرب زدہ، سیکولر اور عوام الناس سے الگ تھلگ رہنے والی ہے۔ اسلامی قوانین سے متعلق اس طبقے کا علم نہ ہونے کے برابر ہے۔

غلام محمد، سکندر مرزا، چوہدری محمد علی، ایوب خان، اور یحییٰ خان وغیرہ سول اور فوجی بیورو کریسی کے ارکان تھے جو بالآخر صدارت اور وزارتِ عظمیٰ کے مناصب پر قابض ہونے میں کامیاب ہوئے۔ صدر ضیاء الحق کو ہمیشہ شکایت رہی کہ افسر شاہی اسلامی نظام کو نافذ کرنے کے لیے مطلوبہ تعاون نہیں کر رہی۔ بیورو کریسی کی ریکروٹمنٹ، تربیت اور کام کرنے کا سٹائل نہیں بدلا۔ موجودہ بد عنوان اور مذہب بیزار افسر شاہی کی موجودگی میں نفاذِ شریعت کے نصب العین کا حصول بے حد مشکل ہے۔ یہ طبقہ اپنی روایت پسندی کی بنیاد پر ہر طرح کی تبدیلی اور اصلاح کی راہ میں مزاحم رہا ہے۔

(۴) عدلیہ: دورِ جدید میں عدلیہ ریاست کے اہم ادارے کی حیثیت سے دستور و قانون کی پیش آمدہ معروضی حالات کی روشنی میں تعبیرات و تشریحات کے ذریعے بالواسطہ "قانون سازی" کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ پاکستان میں عدالتی نظام کی کمزوریوں میں ایک اہم خامی یہ بھی ہے کہ بار کونسل اور اعلیٰ عدالتوں کے فاضل جج صاحبان زیادہ تر "انگریزی قانون" اور "طریقہ کار" میں تعلیم و تجربہ رکھتے ہیں۔ کچھ استثنائی صورتیں ضرور ہوں گی، لیکن عمومی طور پر اسلامی شریعت اور قانون کے متعلق ان کا علم ان کے اعلیٰ مناصب کے تقاضوں سے مطابقت نہیں رکھتا...... جسٹس (ر) جاوید اقبال اپنی کتاب "آئیڈیالوجی آف پاکستان" میں ہمارے جج صاحبان کی اس کمزوری کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> "ہمارے جج صاحبان برطانوی نظام قانون میں تربیت یافتہ ہیں اور وہ اسلامی قانون و فقہ کے بارے میں کوئی علم نہیں رکھتے، وہ اس کی فنی باریکیوں اور گہرائیوں کے متعلق بظاہر نابلد ہیں" (صفحہ ۱۰۷)

وفاقی شرعی عدالت کے ایک سابق رکن جسٹس ظہور الحق نے اسلام آباد میں منعقد ہونے والی "اسلامائزیشن کانفرنس" (جنوری ۱۹۸۳ء) میں برملا اعتراف کیا کہ "ہم 'کامن لاء' کے جج ہیں۔ ہمیں قوانین کا جائزہ لینے کے لیے ماہرین شریعت کی اعانت کی ضرورت رہتی ہے"۔ اسلامی قوانین سے اس واجبی واقفیت کا نتیجہ ہی تھا کہ حضور بخش بمقابلہ وفاق پاکستان کے مقدمے میں وفاقی شرعی عدالت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے فیصلہ دیا کہ "رجم" (سنگساری) "حد" نہیں ہے۔ ۴۵ جید علماء پر مشتمل ایک وفد نے صدرِ پاکستان کو تحریری احتجاج پیش کیا اور مطالبہ کیا کہ وفاقی شرعی عدالت میں اسلامی قانون کے ماہرین کو بھی شامل کیا جائے۔ ان کے اس مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے تین علماء کو وفاقی شرعی عدالت کا جج تعینات کیا گیا۔

شروع ہی سے سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ارکان کی اچھی خاصی تعداد ان جج صاحبان پر مشتمل رہی ہے جو سیکولر میلان رکھتے ہیں۔ سپریم کورٹ کے دوسرے چیف جسٹس، جسٹس منیر احمد سیکولرازم کے چمپئن تھے۔ انہوں نے اپنی تصنیف "جناح سے ضیاء تک" میں زوردار طریقے سے پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے پر زور دیا ہے۔

سپریم کورٹ کے ایک فاضل جج جسٹس حمود الرحمٰن کی زیر سرکردگی ایک بنچ نے فیصلہ دیا کہ گو قراردادِ مقاصد سب سے اہم دستوری دستاویز اور اعلامیہ ہے مگر چونکہ یہ دستور کا مؤثر حصہ نہیں، اس لیے اسے بالادستی حاصل نہیں۔ اسی طرح ۱۹۹۳ء میں جسٹس نسیم حسن شاہ کی صدارت میں سپریم کورٹ کے بنچ نے حاکم خان کیس میں قرار دیا کہ "۲۔الف" بھی دستور کی دیگر دفعات کی طرح ایک دفعہ ہے جس کی روشنی میں باقی دفعات کا جائزہ نہیں لیا جاسکتا۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے بعد شریعت کی حقیقی اور مکمل بالادستی ہوا میں تحلیل ہو کر رہ گئی۔ آئین کی پندرھویں ترمیم کے جواز کے طور پر اس فیصلے کا ذکر بھی کیا جارہا ہے۔ گذشتہ چند برسوں کے دوران مغربی میڈیا کی یلغار، پاکستان میں مغربی سرمائے سے چلنے والی این جی اوز کی غیر معمولی چلت پھرت اور ذرائع ابلاغ میں مغرب کے انسانی حقوق کے واویلا کی نشر و اشاعت، امریکہ اور دیگر یورپی ممالک کی بیجا مداخلت اور پاکستانی معاشرے کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی تحریک کے اثرات ہماری عدالتوں کے بعض فیصلہ جات میں بھی محسوس کیے گئے ہیں۔

لاہور ہائی کورٹ کے بعض جج صاحبان نے حال ہی میں نکاح میں والدین (وَلی) کی اجازت، عورتوں کے حقوق و خاندانی اقدار، چادر اور چار دیواری کے تحفظ جیسے مقدمات میں جو فیصلے دیئے ہیں، ان کی اسلامی حیثیت علماء کی رائے میں متنازع فیہ ہے۔ پاکستان کی اعلیٰ ترین عدالتوں میں سیکولر جج صاحبان کی موجودگی نفاذ شریعت کی راہ میں ایک ممکنہ (Potential) رکاوٹ سمجھی جاتی رہی ہے۔

(۵) بازاری طبقہ: فلم، ٹیلی ویژن، اخبارات کے فلمی صفحات اور دیگر ذرائع ابلاغ پر قابض مادر پدر آزادیوں سے مستفید ہونے والے ایک طبقے نے پاکستان میں ثقافت کے نام پر کثافت، فن کے نام پر تعفن اور کلچر کے نام پر لچرپن کو فروغ دیا ہے۔ جسم فروشی اور رقص و سرود کے پیشے میں ملوث طوائفوں کے اڈے فلم اور میڈیا میں کام کرنے والی اداکاراؤں کی نرسریاں ہیں۔ نوجوان طبقے کو اسلام سے برگشتہ کرنے اور انہیں لہو و لعب کی طرف مائل کرنے میں اس بازاری طبقے نے جو مکروہ کردار ادا کیا ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آنے والی ارضِ پاک پر "ہیرا منڈی" جیسے علاقوں کا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجود ایک ناسور ہے جس کو نفاذِ شریعت کی سرجری سے ختم کرنا بے حد ضروری ہے۔ عورت کا بدترین روپ طوائف کا پیشہ ہے، عورت کو جسم فروشی کے ذریعے روزگار بنانے پر مجبور کرنا یا اس کی اجازت دینا انسانیت اور نسوانیت دونوں کی شرمناک توہین و تذلیل ہے۔ گھر سے فرار ہونے والی بدبخت لڑکیوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے تحریک چلانے والی مغرب زدہ بیگمات کی طرف سے عورت کی تذلیل کے اس پہلو پر خاموشی اختیار کرنا ان کے عورتوں کے حقوق کے چمپئن ہونے کے دعویٰ کو باطل ٹھہرانے کی قوی ترین دلیل ہے۔

(۶) اپوائی بیگمات: پاکستان میں طبقہ اشرافیہ سے تعلق رکھنے والی عورتوں کی ایک متحرک اقلیت کو نفاذِ شریعت سے شروع سے بیر رہا ہے۔ پاکستان کے پہلے وزیراعظم کی بیگم صاحبہ، جو لیاقت علی خان سے رشتہ مناکحت قائم کرنے سے پہلے ہندو تھیں، نے قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ہی عورتوں کے حقوق کے نام پر مغربی تہذیب کے عملی نفاذ کی تحریک شروع کر دی تھی۔ ان کی تحریک سے وابستہ خواتین "اپوائی بیگمات" کہلاتی ہیں، ایوب خان کے دور میں نافذ ہونے والے قابل اعتراض عائلی قوانین کے نفاذ کا سہرا بھی اُونچے طبقہ کی اِن مغرب زدہ بیگمات کے سر ہے۔ یہی بیگمات تھیں جنہوں نے ضیاءُ الحق مرحوم کے زمانے میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے خلاف محاذ قائم کیے رکھا۔ ۱۹۹۰ء کے بعد مغرب کے زیر اثر پاکستان میں تحریکِ آزادئ نسواں کی مبلغات میں ہوش رُبا اضافہ ہوا ہے۔ عورتوں کے حقوق کے نام پر آوارگی نسواں کو فروغ دینے والی این جی اوز کا ایک گروہ پاکستان کے خاندانی نظام پر ٹڈی دَل کے طرح حملہ آور ہو چکا ہے۔ امریکہ اور یورپ سے این جی اوز کو کروڑوں روپے مل رہے ہیں، جس کی وجہ سے ان کا دائرہ کار روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ عورتوں کی یہ تنظیمیں مغرب کے ایجنڈے کو عملی جامہ پہنا رہی ہیں۔ نفاذِ شریعت بل کے خلاف افرنگ زدہ مادر پدر آزاد عورتوں نے جلسے جلوس نکالے اور خوب دھاچوکڑی کا مظاہرہ کیا۔ صیہونی لابی کے سرمائے سے چلنے والی ایسی این جی اوز کی کرتا دھرتا زیادہ تر قادیانی عورتیں ہیں۔ وہ نہایت ہوشیاری سے مسلمان عورتوں کو گمراہ کر رہی ہیں۔ نفاذِ شریعت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ضروری ہے کہ مغرب زدہ خواتین کے اس گروہ کی اسلام دشمن سرگرمیوں کا سختی سے نوٹس لیا جائے اور ان کو مسلمہ حدود کا پابند کیا جائے۔

(۷) برسر اقتدار طبقہ: پاکستان میں نفاذِ شریعت کے خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے میں سب سے زیادہ رکاوٹ جس طبقہ نے ڈالی ہے، وہ بلاشبہ برسر اقتدار طبقہ ہے۔ پاکستان کے حکمرانوں کی اکثریت اپنے فطری میلان کی وجہ سے اسلام کو نظامِ حیات کے طور پر قبول کرنے کو تیار نہیں تھی۔ وہ بے حد آزاد خیال اور لہو و لعب کے رسیا تھے۔ وہ حکمران جنہیں اسلام سے دلی لگاؤ تھا اور جو بظاہر نفاذِ شریعت میں کسی حد تک سنجیدہ بھی تھے، انہوں نے بھی اس عزم بالجزم (Political Will) کا مظاہرہ نہیں کیا، کہ جو

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسے عظیم مشن کی تکمیل کا متقاضی تھا۔ صدر ضیاء الحق مرحوم کی اسلام پسندی اور ان کا ذاتی کردار بلاشبہ قابل تحسین تھا، لیکن انہوں نے بھی اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے نیم دلانہ اقدامات ہی کئے۔ اربابِ بسط و کشاد اسلام کی حقانیت کو اپنے فکر و عمل سے جب تک ثابت نہیں کریں گے، اسلامی شریعت کے نفاذ کے اہم فریضہ سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکیں گے۔ آج بھی اہل اقتدار جب تک اسلام کو اپنی زندگیوں میں نافذ نہیں کریں گے، عوام الناس پر اسلامی شریعت کو نافذ کرنا تقریباناممکن ہے۔

میاں نواز شریف، ممکن ہے اپنی خوش تدبیری کی بنا پر سینٹ سے آئین کی پندرہویں ترمیم کو منظور کرانے میں کامیاب بھی ہو جائیں، مگر موجودہ ٹیم کے ساتھ شریعت نافذ کرنے کی ان کی صلاحیت کے بارے میں شبہات بدستور باقی رہیں گے۔

(۸) جاگیر دار: پاکستان کا جاگیر دار انگریزوں کا مراعات یافتہ طبقہ نفاذِ اسلام کی تحریک کو ہمیشہ اپنے لیے ایک خطرہ سمجھتا رہا ہے۔ ہر دور میں اقتدار کے مزے لوٹنے والا یہ طبقہ کبھی نہیں چاہے گا کہ ارضِ وطن پر نفاذِ شریعت کا عمل پایہ تکمیل تک پہنچے۔ یہ استحصالی طبقہ کسی نہ کسی شکل میں نفاذِ شریعت کو روکنے کی سازش میں شریک رہا ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں محض چند اہم طبقات کی نشاندہی کی گئی ہے ورنہ یہ فہرست خاص طویل ہے۔ اگر محولہ بالا طبقات کی اسلام دشمن سرگرمیوں کا ہی مؤثر توڑ نکال لیا جائے تو پاکستان میں شریعت اسلامی کے نفاذ کی راہ خاصی حد تک ہموار ہو جائے گی...... قابل غور مسئلہ یہی ہے کہ کیا حکومت نفاذِ شریعت جیسے اہم کام کے لئے مذکورہ طبقات سے ٹکر لینے یا ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کا عزم رکھتی ہے؟ کیونکہ اس کے بغیر حکومت اپنے اس مقصد میں کامیاب تو کجا، کچھ پیش رفت بھی نہیں کر سکتی۔

(۳)

سینٹ اور شریعت بل ...... مطلوبہ عزم

یہ ایک انتہائی ستم ظریفی بلکہ عظیم قومی المیہ ہے کہ وہ ملک جس کے قیام کا واحد مقصد ہی اسلامی شریعت کا نفاذ تھا، اس کے ایک آئینی ادارے سینٹ کے ارکان کا حکومت مخالف گروہ نفاذِ شریعت بل کی مخالفت پر کمر باندھے ہوئے ہے۔ شرعی اور دینی اعتبار سے ان کا یہ رویہ کس قدر قابل مذمت ہے، اس کا اظہار علماء کی طرف سے واشگاف الفاظ میں کیا جا چکا ہے، لیکن سیاسی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو یہ عوام کی امنگوں کی سنگین توہین کے مترادف ہے۔ نہ جانے یہ حضرات عوام کی خواہشات کی توہین کے جرم کے مرتکب ہو کر بھی ان کی نمائندگی کے شرف سے بدستور معمور ہونے کا دعویٰ کن اخلاقی بنیادوں پر کرتے ہیں؟

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وزیر اعظم نواز شریف اپنی بھر پور مہم کے باوجود سینٹ میں دو تہائی اکثریت کو شریعت بل کی حمایت پر آمادہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ سینٹ کی منظوری کے لیے ۸۵ ارکان کی تائید ضروری ہے جب کہ حکومت اور اس کے حامی سینٹروں کی تعداد تازہ ترین تخمینہ کے مطابق ۴۸ سے زیادہ نہیں ہے۔

میاں نواز شریف سینٹ کے ارکان کی تائید حاصل کرنے کے لیے ترغیبات وترہیبات (Threats) دونوں کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے انہوں نے اسلام آباد کے کنونشن سنٹر میں پاکستان بھر کے علماء کو جمع کر کے انہیں ترغیب دی تھی کہ وہ شریعت بل کے حق میں رائے عامہ کو بیدار کریں اور شریعت بل کے مخالفین کا ناطقہ بند کریں۔ ایک عوامی جلسہ کے دوران انہوں نے سینٹ کے مخالف ارکان کے گھیراؤ کی طرف بھی اشارہ کیا۔ نومبر کے دوسرے ہفتے کے دوران مالاکنڈ ایجنسی میں ایک بہت بڑے عوامی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ پاکستان میں طالبان کے طرز پر شریعت کا نفاذ چاہتے ہیں ...... کراچی میں انہوں نے دہشت گردوں کو سرعام پھانسی پر لٹکانے کے لیے شریعت کے نفاذ کی ضرورت کا بار بار تذکرہ کیا۔ ان کی یہ کاوشیں اپنی جگہ پر قابل ستائش ہیں لیکن ان کی جماعت مسلم لیگ کی طرف سے شریعت بل کے حق میں فضا ہموار کرنے کے لیے جو اجتماعی جدوجہد سامنے آنی چاہیے تھی، وہ ابھی تک مشاہدے میں نہیں آئی۔ ان کے پاس قومی اسمبلی میں دو تہائی اکثریت ہے۔ پنجاب اسمبلی میں حزبِ اختلاف نہ ہونے کے برابر ہے۔ صوبہ سرحد، بلوچستان اور سندھ کی صوبائی اسمبلیوں میں ان کی جماعت کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ سینٹ میں بھی ان کے حامیوں کی تعداد ۵۰ کے لگ بھگ ہے۔ اگر میاں صاحب ان تمام حضرات کو تمام کام چھوڑ کر صرف ایک ہفتہ کے لیے ہی شریعت کی حمایت میں عوامی جلسے، تقاریر، پریس کانفرنس اور سیاسی اجتماعات منعقد کرنے کے لیے ہدایت کریں، تو کوئی وجہ نہیں کہ شریعت بل کے مخالفین کے حوصلے پست نہ ہو جائیں۔

مزید برآں وہ شریعت بل کے مخالفین کے تمام اعتراضات کے شافی جوابات کی تیاری کے لیے دانشوروں، صحافیوں اور علماء کی کمیٹیاں تشکیل دیں جو ذرائع ابلاغ میں شریعت کی حمایت میں عقلی دلائل دے کر رائے عامہ کو تشکیل دیں۔ جذباتی اور نفسیاتی اعتبار سے فضا کو اس قدر "چارج" کیا جائے کہ شریعت بل کے مخالفین کے پاس سوائے حمایت کے اور کوئی چارہ نہ رہے۔ ان کی اس قدر مذمت اور حوصلہ شکنی کی جائے کہ انہیں پاکستان میں منہ چھپانے کو جگہ نہ ملے۔

پاکستان کا سینٹ صحیح معنوں میں عوامی نمائندگان پر مشتمل ادارہ نہیں ہے۔ یہ وفاق کی بعض آئینی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے قائم کیا گیا ہے۔ صوبائی اسمبلیاں درحقیقت اس کے انتخابی کالج کا کردار ادا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتی ہیں۔ اصولی طور پر پاکستانی سینٹ امریکی سینٹ کے ہم پلہ نہیں ہے کیونکہ امریکی سینٹ کے ارکان کا انتخاب عوام براہِ راست کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ امریکی ریاستیں ریاست ہائے متحدہ کے وفاق میں شمولیت سے پہلے بالکل آزاد اور خود مختار ریاستوں کی صورت میں موجود تھیں۔ پاکستان کے صوبوں کی یہ پوزیشن نہیں ہے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے بلوچستان کو ایک مکمل صوبے کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ صوبہ سندھ ۱۹۳۵ء تک بمبئی کا حصہ تھا، صوبہ سرحد بھی ۱۹۱۰ء تک صوبہ پنجاب میں شامل تھا، بعد میں کافی عرصہ تک اسے بھی مکمل صوبے کا درجہ حاصل نہیں رہا۔ اس کے علاوہ ایک اور اہم فرق یہ ہے کہ پاکستان کا آئین پارلیمانی طرز کا ہے اور پارلیمانی نظام میں قومی اسمبلی یعنی ایوانِ زیریں کو برتری حاصل ہوتی ہے جیسا کہ برطانیہ میں ہے۔ برطانیہ میں دارالامراء کو قانون سازی کے اختیارات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پاکستانی سینٹ کے ارکان کو ان معروضی حقائق کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

اگر اصولوں کو سامنے رکھا جائے تو نفاذِ شریعت جیسے اہم بل کو سینٹ کی منظوری کے تابع ہی نہیں ہونا چاہئے جس طرح کہ بجٹ کی منظوری کا معاملہ ہے۔ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ بجٹ کے مقابلے میں نفاذِ شریعت زیادہ اہم مسئلہ ہے، سینٹ کے پاس چند مخصوص اُمور ہونے چاہئیں جن کا فی الواقع تعلق صوبائی نظم ونسق اور صوبوں کے مرکز کے درمیان حقوق واختیارات کی تقسیم سے ہو۔

سینٹ کی مخالفت میں پیپلز پارٹی ایم. کیو. ایم، اے. این. پی اور بلوچستان کی بعض قوم پرست جماعتوں کے ارکان پیش پیش ہیں۔ پیپلز پارٹی تو بغضِ معاویہ کا کردار کرتی رہے گی لیکن دیگر سینٹرز کی طرف سے شریعت بل کی مخالفت افسوسناک ہے۔ ایم کیو ایم کراچی کے شہریوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ اسے یہ خیال کرنا چاہیے کہ کراچی کی آبادی کا مزاج مذہب کی طرف خاصا مثبت ہے۔ ایم کیو ایم سے پہلے وہاں جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے پاکستان کو ہمیشہ نشستیں ملتی رہیں۔ ایم کیو ایم کی طرف ان کے سیاسی جھکاؤ کے باوجود کراچی کے لوگ اسلام سے برگشتہ نہیں ہوئے۔ اب بھی وہاں کی مساجد نمازیوں سے آباد رہتی ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اہل کراچی کے مذہبی جذبات کو اُبھارنے کے لیے حکمتِ عملی مرتب کرے۔ اہل کراچی کو واضح کر دینا چاہیے کہ مذہب اور زبان کے مقابلے میں قابل ترجیح کونسا امر ہے؟ ایم کیو ایم کے ارکان کو شریعت بل کی حمایت پر آمادہ کرنے کے لیے مؤثر طریقہ یہی ہے کہ اہل کراچی کی طرف سے ہی ان پر عوامی دباؤ کو بڑھایا جائے۔ اے این پی کے ارکان میں اگر اخلاقی حمیت کا شائبہ بھی موجود ہوتا تو وہ سینٹ کی رکنیت سے مستعفی ہو جاتے کیونکہ مسلم لیگ کے سہارے وہ وہاں پہنچے تھے۔ جب مسلم لیگ سے الگ ہو گئے تو پھر یہ رکنیت جاری رکھنے کا کوئی جواز باقی نہ رہا۔

سینٹ کے آٹھ دس ارکان کے عدمِ تعاون کی وجہ سے شریعت بل کو مسترد کرنے کی اجازت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں دی جاسکتی۔ ان پر ہر طرح کا سیاسی، سماجی اور اخلاقی دباؤ قابل جواز ہے۔ امریکہ میں پریشر گروپ سینٹ کے ارکان پر ہر طرح کا دباؤ ڈالتے رہتے ہیں اور قانون سازی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ پاکستان جیسی نظریاتی ریاست میں حکومت کو یہ حکمتِ عملی ضرور اپنانی چاہیے۔ امریکہ میں آج بھی آزادیٔ اظہار کے باوجود اگر "جمہوریت" کی مخالفت میں کوئی سینٹر اپنی رائے کا اظہار کر دے تو امریکی رائے عامہ اس کا حشر نشر کر کے رکھ دے گی۔ برطانیہ میں رائے عامہ سے کوئی فوجی جرنیل ملک پر قبضہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ آزادیٔ اظہار کے نام پر پاکستان کی نظریاتی اساس کی مخالفت کو پاکستانی عوام کبھی گوارا نہیں کریںگے۔

سینٹ کے ارکان آرٹیکل ٦٢ کے مطابق نظریہ پاکستان پر یقین رکھنے کے پابند ہیں۔ نفاذِ شریعت بل کی مخالفت سے آئین کے مطابق بھی ان کی رکنیت منسوخ ہو جانی چاہیے۔

اگر قومی اسمبلی میں آٹھ دس ارکان کی حمایت کی کمی کا مسئلہ ہوتا تو ان کے مخصوص حلقہ ہائے انتخاب میں جزوی ریفرنڈم یا ان کے حلقوں میں شریعت ریلی وغیرہ کے انعقاد کے ذریعے انہیں حمایت پر مجبور کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ سینٹرز کا چونکہ کوئی حلقہ انتخاب نہیں، اسی لیے اس طرح کی حکمت عملی وہاں استعمال میں نہیں لائی جاسکتی۔

اب جبکہ ترمیمی بل سے آرٹیکل ۲۳۹ کے متعلق ترمیمی شقات حذف کر دی گئی ہیں اور ۲(ب) کی حکومتی ہدایات جاری کرنے کی عبارت بھی نکال دی گئی ہے تو وہ لوگ جو میاں نواز شریف پر آمریت مسلط کرنے، یا خلیفہ / امیر المؤمنین کا روپ اختیار کرنے جیسے الزامات عائد کرتے رہے ہیں، وہ الزامات خود بخود بے بنیاد ہو جاتے ہیں۔ شریعت بل کے مخالفین اخلاقی بزدلی کا شکار ہیں وہ مختلف حیلے بہانوں سے شریعت بل کی مخالفت کر رہے ہیں۔

اقلیتوں اور عورتوں کی مخالفت بھی محض ایک "متحرک اقلیت" کا پروپیگنڈہ ہے۔ ۹/ نومبر کو یومِ اقبال کی تقریب کے دوران جس جوش و خروش سے سینکڑوں عورتوں نے شریعت کے حق میں نعرے لگائے، میاں نواز شریف صاحب کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مٹھی بھر مغرب زدہ عورتوں کے علاوہ مسلمان خواتین کی بھاری اکثریت شریعت کے نفاذ کے بارے میں خاصی پرجوش ہے۔ یوم اقبال کے موقع پر ڈاکٹر اسرار احمد نے میاں نواز شریف کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے انہیں سینٹ سے شریعت بل منظور کرانے کے لیے اس پالیسی کو اپنانے کا مشورہ دیا جو ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۹۷۳ء کے آئین کے متعلق اپنائی تھی، یعنی سب کو راضی کرنا۔ میاں نواز شریف جب سٹیج پر آئے تو انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب کو اندازہ نہیں ہے کہ قومی اسمبلی اور سینیٹ میں کس طرح کے سیکولر اور شریعت مخالف لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے قومی اسمبلی کے ایک رکن کی طرف سے حضور اکرم ﷺ کی شان میں کہے گئے وہ الفاظ دہرائے جو بعد میں اخبارات میں شائع ہوئے تو حاضرین کا ردِ عمل جوار بھاٹا کی طرح

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے آیا۔

اگر میاں صاحب اپنی شخصی شہادت کی بنیاد پر اس گستاخِ رسولؐ کے خلاف توہین رسالت کا مقدمہ درج کراتے اور عدالت میں اس کی پیروی کرتے، تو نہ صرف اللہ کے ہاں ان کا یہ عمل قبولیت کا شرف پاتا بلکہ اس طرح کے دریدہ دہنوں کو بھی خوب سبق ملتا اور سینٹ کے ارکان کی جو منت سماجت، وہ اب کر رہے ہیں اس کی ضرورت پیش نہ آتی۔

میاں نواز شریف خوش قسمت ہیں کہ خدا نے انہیں نفاذِ شریعت کا یہ نادر موقع فراہم کیا ہے، اگر وہ اس سے فائدہ اٹھانے میں ناکام رہتے ہیں تو یہ ہماری قومی سیاہ بختی ہوگی، انہوں نے ۱۹۸۹ء میں، جب وہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے، ایک صوبائی سطح پر نفاذِ شریعت کمیشن قائم کیا تھا۔ اس کمیشن کے چیئرمین بیرسٹر خالد اسحٰق تھے جبکہ نائب چیئرمین موجودہ وزیر برائے مذہبی امور راجہ ظفر الحق صاحب تھے۔ راقم الحروف کو ان دنوں بیرسٹر خالد اسحٰق سے منسلک رہنے اور کام کرنے کا موقع ملا۔ ایک مرتبہ راقم نے مسٹر خالد اسحٰق سے دریافت کیا کہ پاکستان میں اب تک نفاذِ شریعت کا عمل کیوں نہیں ہو سکا۔ جس کا جواب میں نے اس وقت اپنی ڈائری میں لکھ لیا تھا۔ انہوں نے کہا: اس بارے میں قدرت نے ہمیں بڑے مواقع عطا کیے ہیں لیکن ہم خود ہی چھوٹے ثابت ہوئے ہیں ۔ مذکورہ کمیشن اپنا کام جاری نہ رکھ سکا کیونکہ ارکان کا یہ اتفاقِ رائے تھا کہ وفاقی حکومت کی حمایت کے بغیر پاکستان یا پنجاب میں نفاذِ شریعت ممکن نہیں ہے۔ اب تو الحمد للہ اس طرح کی کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس طرح اپنے آپ کو تاریخ میں اَمر کرتے ہیں یا پھر خالد اسحٰق صاحب کے الفاظ میں "چھوٹے" ثابت ہوتے ہیں۔ نفاذِ شریعت بل کی منظوری کے لیے خواہ مطلوبہ ارکان کی حمایت میں زمین کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں چکر کاٹنے پڑیں یا پھر مجبوراً ریفرنڈم کے ذریعے اس عظیم مشن کی تکمیل کرنی پڑے، انہیں پاکستانی قوم کے خواب کو ہر صورت میں شرمندۂ تعبیر کرنا چاہیے۔

اکیسویں صدی کی دہلیز پر پہنچی اسلامی دنیا اپنی نشاۃِ ثانیہ کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ چکی ہے۔ امتِ مسلمہ میں مغرب کے سامراجی اور استحصالی نظام کے خلاف جس قدر بیزاری اور نفرت آج دیکھنے میں آئی ہے، اس سے پہلے کبھی اتنی شدت دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ اسلامی دنیا میں اتحاد کے فقدان کے باوجود اسلامی شریعت کے دیے بعض ریاستوں میں پہلے ہی روشن ہو چکے ہیں۔ سعودی عرب، ایران، چیچنیا، سوڈان اور حال ہی میں افغانستان میں طالبان نے اپنے اپنے مخصوص انداز اور ڈھنگ میں اسلامی شریعت کو برتر قانون کا درجہ دے کر اس کے عملی نفاذ کی صورتیں بہم پہنچائی ہیں۔ ان ممالک میں نفاذِ شریعت کی برکات کا عملی مشاہدہ، اگرچہ جزوی طور پر سہی، ہر آنکھ کر سکتی ہے۔ سعودی عرب میں خلیج کی جنگ کی تباہ کاریوں اور اس ارضِ مقدس میں موجود امریکی سامراجی افواج کے باوجود جرائم کا تناسب دنیا کی کسی بھی ریاست کے مقابلے میں کم ہے۔ افغانستان میں خانہ جنگی کا مکمل خاتمہ اگرچہ ابھی تک نہیں ہو سکا، لیکن طالبان کے مخالفین بھی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی حکومت کے قائم ہونے کے بعد ان کے زیرِ انتظام علاقوں میں امن عامہ، اخلاقی جرائم اور عورتوں کے تحفظ کے معاملات میں بہت زیادہ بہتری کی صورت رونما ہوئی ہے۔ آج کے دور میں مسلمانوں کی واحد ریاست کا قیام ابھی امکانِ بعید نظر آتا ہے لیکن مختلف اسلامی ممالک میں انفرادی اور علاقائی طور پر فروعی اختلافات کے باوجود نفاذِ شریعت کے امکانات کافی روشن ہیں۔ مستقبل قریب میں جن مسلم ریاستوں میں نفاذ شریعت کے متعلق پیش قدمی کی توقع کی جاسکتی ہے، ان میں پاکستان کا نام سرفہرست ہے۔ ایٹمی طاقت بن جانے کے بعد پاکستان کے مسلمانوں کی خود اعتمادی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔

کسی بھی قوم کی نظریاتی اساس، لادینی، جمہوری، اشتراکی، سرمایہ دارانہ یا مذہبی بنیادوں پر قائم ہو، اسے عملی جامہ پہنانے کا خواب اس وقت تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا جب تک وہ قوم اس کے نفاذ کی ضرورت کو اپنی "موت و حیات" کا مسئلہ نہ بنالے۔ اگر بیسویں صدی میں اشتراکی نظام کی بنیاد پر روس، چین، مشرقی یورپ، مشرق وسطی اور ایشیا کے کئی ممالک میں انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے اور امریکہ اور مغربی یورپ کے ممالک جمہوریت کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہوئے اس کی عملی صورت کو قائم رکھنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں، تو مسلم ممالک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے امکانات کو ناقابل حصول قرار دے کر اسے مسترد کیونکر کیا جاسکتا ہے......؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظام سے ہماری وابستگی اور تعلق زبانی جمع خرچ تک ہی محدود رہا ہے، ایک نظام کو معاشرے میں نافذ کرنے کے لیے جو عزم، ولولہ، جوش و خروش اور پیہم جدوجہد درکار ہے، اگر آج بھی مسلمان اپنے اندر یہ جذبات پیدا کرلیں تو اسلامی نظام کے نفاذ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔

تاہم پاکستان جیسے اخلاقی سرطان میں مبتلا معاشرے کے لیے محض پارلیمنٹ سے شریعت بل پاس ہونے سے نفاذ شریعت کے تمام تقاضے نہ تو پورے ہوسکتے ہیں اور نہ ہی یہ کامیابی اس صبر آزما کام کے تمام مدارج کو طے کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ نفاذِ شریعت کا عمل ایک عظیم چیلنج سے کم نہیں ہے، اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آہنی عزم، غیر متزلزل یقین، خودارادی، فولادی اعصاب اور پہاڑ جیسا استقلال چاہیے۔ مکیاولی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "دی پرنس" میں حکمرانوں کو بالکل صحیح ہدایت کرتا ہے:

> "نئے نظام کو متعارف کرانے سے زیادہ کوئی چیز مشکل نہیں ہے، نہ ہی اس سے بڑھ کر کسی کامیابی کا حصول مشکل ہے، نہ ہی اس سے زیادہ خطرناک کوئی دوسرا معاملہ ہے۔ کیونکہ پرانے نظام سے متمتع ہونے والے تمام افراد ریفارمر (مصلح) کے دشمن بن جاتے ہیں اور نئے نظام سے فائدہ اٹھانے والے تمام لوگ محض نیم دلی سے حمایت کرتے ہیں۔ اس نیم دلانہ حمایت کی ایک وجہ تو ان کے حریفوں کا خوف ہوتا ہے جن کی قوانین بھی پشت پناہی کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ وہ حقیقی طور پر کسی ایسی چیز پر یقین نہیں کرتے جب تک کہ وہ عملی طور پر اس کے فوائد کا تجربہ نہ کرلیں"

☆ ☆

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقالات

مسز ثریا علوی

اسلامی تعلیمات اور پاکستان کی معیشت

خود کفالت کی منزل کیسے؟

پاکستان، دنیا کی عظیم ترین اسلامی مملکت کے طور پر ۱۹۴۷ء کو نقشہ عالم پر نمودار ہوئی آج پاکستان کو عروس آزادی سے ہمکنار ہوئے ۵۱ برس بیت چکے ہیں - ترقی اور عروج حاصل کرنے کے لیے اور اپنی منزل مراد تک پہنچنے کے لیے نصف صدی کا عرصہ بہت ہوتا ہے مگر ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اہل پاکستان آزادی کی ذمہ داریوں کو کما حقہ ادا نہیں کر سکے۔ صرف ۲۵ برس بعد مملکت خداداد کا آدھا بازو کاٹ کر بنگلہ دیش کا نیا ملک وجود میں آگیا مگر ہمارا احساسِ زیاں پھر بھی بیدار نہ ہوا۔اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی مملکت میں اسلامی شریعت ہی کا نفاذ نہ ہوسکا۔ اور آج تک مختلف حیلے بہانوں سے یہ کام پس پشت ڈالا جاتا رہا۔

اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی مملکت میں مسائل کا انبار

مگر اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ یہ پاستان معاشی میدان میں بھی انتہائی پسماندہ رہ گیا۔ جاگیرداروں، وڈیروں اور افسر شاہی نے ملک پر تسلط جما رکھا ہے۔ ان کی خاطر ملک میں بڑی گاڑیوں، ایئرکنڈیشنوں اور عالیشان کوٹھیوں کی بہتات ہے۔ ان کے محلات غیر ملکی اشیاء سے بھرے پڑے ہیں۔ ملک میں ظلم وجور اور لاقانونیت کا دور دورہ ہے، امن امان کی کیفیت دگر گوں ہے - چاروں طرف سے صوبائیت اور لسانیت کے تعصبات بڑھتے ہی جاتے ہیں، تعلیمی معیار بھی زوال وانحطاط کا شکار ہے - ملک کی عظیم اکثریت یعنی کسان، ہاری اور مزارع کس مپرسی اور بیچارگی کا شکار ہیں، مزدور اور تنخواہ دار طبقہ بھی معاشی مسائل کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے - کرپشن اور مالی بد عنوانیاں وطن عزیز میں عروج پر ہیں۔ ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ، منشیات فروش، ناجائز منافع خوری، رشوت ستانی اور سود خوری جیسی بڑی بڑی وبائیں زوروں پر ہیں۔ ان سب پر مستزاد بڑھتی ہوئی مہنگائی اور سوئی گیس، فون اور بجلی کے گراں بلوں نے عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ رشوت کا اتنا زور ہے کہ غریب کو انصاف ملنا ناممکن ہوگیا ہے۔ سمگلنگ اتنے زوروں پر ہے کہ ملکی ضروریات کا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقریباً آدھا حصہ سمگلنگ کے ذریعے ملک میں آرہا ہے اور ہر طرف باڑہ مارکیٹیں کھلی ہیں- منشیات کے کاروبار نے نوجوان نسل کو معذور اور اپاہج بنا کر رکھ دیا ہے، تاجروں نے ناجائز منافع خوری اور ذخیرہ اندوزی سے متوسط طبقہ کی زندگی اجیرن کردی ہے- کم ناپ تول اور ملاوٹ معاشرہ کا رستاہوا ناسور بن کر رہ گئے ہیں- سود ہر شعبہ زندگی میں جاری و ساری ہے- پاکستان کی اسلامی مملکت میں سود کو ختم کرنا تو درکنار خود حکومت سود کو برقرار رکھنے کے لیے سپریم کورٹ میں رٹ دائر کردیتی ہے اور واپس لینے کا نام نہیں لیتی-

مذکورہ بالا تمام حالات ایک یا دو شخصوں کے پیدا کردہ نہیں ہیں، نہ ہی ایک دو دن کے اندر وجود میں آئے ہیں بلکہ عرصہ دراز سے من حیث القوم غلامانہ روش اختیار کرنے کا نتیجہ ہیں- یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ سیاسی آزادی، ذہنی و معاشی آزادی کے بغیر بغیر بے مصرف ہوتی ہے- بدقسمتی سے پاکستان کے بیشتر قائدین مغربی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ تھے اور ان کے تہذیب و تمدن کے دلدادہ- اسی طرح ہماری بیورو کریسی بھی اسی انداز سے کام کرتی رہی- جس کی ٹریننگ انگریزوں نے اپنی حکومت چلانے کے لئے ان کو دی تھی- یہی وجہ ہے کہ اہل مغرب ہی کی طرح یہ لوگ دین کو ایک فرد کا ذاتی مسئلہ سمجھنے لگے اور سیاست، معیشت، معاشرت اور زندگی کے تمام شعبوں کو مذہب کی گرفت سے آزاد رکھنا چاہتے تھے- دراصل مغربی تعلیم کا خاصا ہی یہی ہے کہ وہ دین اور دنیا کی تفریق پیدا کرتی ہے- چنانچہ مسلمانوں کی زندگیوں میں پایا جانے والا قول و عمل کا تضاد اسی دنیا و دین کی تفریق کا نتیجہ ہے-

علاوہ ازیں ہم فنی مہارت میں بھی کمزور ہیں- سائنس اور ٹیکنالوجی میں کمزور ہونے کے سبب اپنے آپ کو امریکہ اور دیگر مالی اداروں سے وابستہ رہنے پر مجبور پاتے ہیں- امریکہ، عالمی مالی ادارے، ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف ہمیں یہ امداد مفت نہیں دیتے- بلکہ اپنے مخصوص سیاسی اور معاشی مفادات حاصل کرتے ہیں- بعض اوقات تو اس امداد کی شرائط بہت ہی رسوا کن اور ہمارے ملی و قومی مفاد کے خلاف ہوتی ہیں- پھر اس امداد کے ساتھ جو غیر ملکی ماہرین اور سائنسدانوں کی ٹیمیں آتی ہیں- وہ ایک طرف مسلمانوں میں الحاد، لادینی، فحاشی، بے راہ روی اور عریانی پھیلاتے ہیں اور دوسری طرف گرانقدر مشاہرے وصول کرتے اور ہمارے خزانہ پر بہت بڑا بار بنتے ہیں- اسی طرح ہمیں اپنی ترقیاتی سکیموں کے لئے گئے قرضہ یا ان سے خریدی گئی مشینری کے ثمرات کا بہت حقیر حصہ وصول ہوتا ہے اور اصل فائدہ ان میں بھی انہی کو حاصل ہوتا ہے- یا پھر ہمارے حکمران کمیشن وصول کرکے اپنی تجوریاں بھر لیتے ہیں اور رہ گئے پاکستانی عوام تو وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعا کرتے ہیں: یا اللہ! ہمیں ان غیر

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملکی قرضوں اور سود کے بڑھتے ہوئے ناسور سے نجات عطا فرما۔

قرضہ .... اسراف کے بارے میں اسلامی ہدایات

ہم اللہ کے فضل و کرم سے مسلمان ہیں۔ ہمارے تمام مسائل کا مکمل اور صحیح حل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں موجود ہے۔ معاشی میدان میں اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ صرف اللہ سے سوال کرو، بندوں کو دینے والے بنو، لینے والے نہ بنو۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "الیدالعلیا خیر من الید السفلی" کہ دینے والا ہاتھ، لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اسی طرح اسلام نے کسب حلال کو بہت بڑا فریضہ قرار دیا ہے۔ محنت کرنے کی بہت تلقین کی ہے اور پھر اپنے چادر کے مطابق پاؤں پھیلانے کی ہدایت فرمائی ہے۔ فضول خرچی اور اسراف سے کام لینے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ ہمارے ہادی برحق نے ہمیں باقاعدہ یہ دعا سکھلائی "اللهم اکفنا بحلالك عن حرامك و اغننا بفضلك عمن سواك" (کہ اے اللہ ہمیں رزق حلال عطا فرما، حرام سے محفوظ رکھ۔ اور اپنے فضل و کرم سے ہمیں دوسروں سے بے نیاز کردے)۔ اسی طرح آپ نے جملہ اقتصادی برائیوں کی بھی بیخ کنی فرمائی، اور دنیا میں ان سے پیدا ہونے والے برے نتائج سے آگاہ فرمایا۔ مثلاً آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "ناپ تول میں کمی کرنے سے قحط اور گرانی کا عذاب مسلط ہوتا ہے" نیز آپ نے فرمایا کہ "رشوت ستانی کے فروغ سے اللہ دشمن کا خوف مسلط کردیتا ہے"۔

اللہ تعالی نے سورۂ فرقان میں اپنے پیارے بندوں کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ﴿ وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴾ کہ اللہ تعالی کے پیارے بندے خرچ کرتے وقت نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔ بلکہ اعتدال سے کام لیتے ہیں۔ کہیں اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔ ﴿ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴾ "آپ فضول خرچی مت کریں کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔ جب کہ شیطان اللہ تعالی کا سخت ناشکرا ہے"۔ (سورۂ بنی اسرائیل)

نبی پاک ﷺ نے میانہ روی سے خرچ کرنے اور اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلانے کی تاکید کرتے ہوئے فرمای "ماعال من اقتصد" (جس نے میانہ روی سے کام لیا، وہ محتاج نہیں ہوا)۔

غرض قرضہ لینے کی نوبت تب ہی پیش آتی ہے جب انسان اپنی آمدنی اور وسائل سے زیادہ خرچ کرتا ہے لہٰذا دین اسلام نے توازن اور اعتدال کو معیشت کی بنیاد ٹھہرایا ہے۔ اسی تعلیم کے زیر اثر ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کی جو پہلی اسلامی مملکت قائم ہوئی، مفلس اور تنگ دست

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے کے باوجود اس نے کسی سے قرض نہ مانگا- عہد نبوی ﷺ ہو یا بعد کا دور کبھی بھی تاریخ اسلام میں ایسا واقعہ پیش نہ آیا کہ مسلم حکومتوں نے غیروں سے قرض لیا ہو- یہ مسلمان حکمرانوں کا پہلا اور بنیادی فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے خزانے یعنی بیت المال کو پوری احتیاط اور دیانتداری سے استعمال کرتے وقت ہوئے رعایا کو تمام بنیادی ضروریات مہیا کریں- نہ تو غیر شرعی مدوں سے، ظلم و زیادتی سے خزانہ بھرنے کی کوشش کریں اور نہ اسے غیر شرعی طریقے سے خرچ کریں- امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنی رعایا کی اتنی فکر ہوا کرتی تھی کہ فرمایا کرتے تھے "اگر دریائے فرات کے کنارے (جو مدینہ سے کافی دور تھا) بکری کا ایک بچہ بھی بھوکا مرگیا تو عمر روز قیامت اللہ کو کیا جواب دے گا" تمام خلفائے راشدین اور بعد کے بھی تمام خدا ترس مسلمان حکمران سید القوم خادمهم کے فرمان نبوی ﷺ کے تحت ذاتی زندگی بڑی سادگی سے بسر کرتے اور رعایا کی تمام ضروریات کی مکمل نگہداشت کرتے- وہ اپنی رعایا کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے رات کو بھیس بدل کر گشت کیا کرتے تھے- حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اپنی پشت پر گندم کی بوریاں لاد لاد کر ضرورت مندوں تک پہنچایا کرتے تھے- حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایک دفعہ سرکاری کام کر رہے تھے کہ آپ کا بیٹا آیا اور آپ سے بات چیت کرنے لگا- آپ نے اسی وقت ایک چراغ بجھا دیا اور دوسرا جلا لیا- بیٹے نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ پہلا بیت المال کا چراغ تھا جب ہم آپس میں ذاتی بات چیت کرنے لگے تو میں نے وہ بجھا کر ذاتی چراغ جلا لیا-

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی حاکموں میں اسی سادگی اور احساس ذمہ داری کو پیدا کرنے کے لئے ان سے بوقت تقرر باتوں کا عہد لیا کرتے تھے: (۱) نماز پابندی سے ادا کریں گے-

(۲) چھنا ہوا آٹا نہیں کھائیں گے- (۳) ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوں گے-

(۴) ریشمی کپڑے نہیں پہنیں گے اور (۵) چوکیدار یا دربان مقرر نہیں کریں گے-

اسلام کی اسی مثالی تعلیم و تربیت کا یہ نتیجہ تھا کہ تاریخ کے بیشتر ادوار میں مسلمان بہت خوشحال اور مالی طور پر مضبوط و مستحکم رہے- زکوۃ اور صدقات و خیرات دینے والے ڈھونڈھتے تھے- مگر ان کو لینے والے نہ ملتے تھے اور اگر کوئی زکوۃ قبول کرلیتا تو باقاعدہ اس کا شکریہ ادا کرتے تھے- ویسے بھی یہ بات قابل غور ہے- اللہ اور رسول ﷺ کے نام لیوا تو سوائے اللہ کے، کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرسکتے- اسلامی غیرت و حمیت کا تقاضا بھی یہی ہے-علاوہ ازیں مسلمانوں کو سودی لین دین سے بھی سختی سے منع کیا گیا ہے انسان ایک بار سود پر قرضہ لے لے تو وہ زندگی بھر قرض کے جال سے باہر نہیں نکل سکتا-

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناح کیسا پاکستان بنانا چاہتے تھے قیام پاکستان کے فوری بعد معاشی صورتحال کا نقشہ

ہم اس سلسلے میں بانی پاکستان محمد علی جناح کے قول و فعل کا حوالہ دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ قیام پاکستان سے قبل ایک برطانوی مصنف نکلز نے قائداعظم سے پوچھا: کیا پاکستان کے تحت مسلمانوں کے اور زیادہ غریب ہونے کا امکان نہیں ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: دیا آپ جرمنی کے تحت امیر انگلستان کو پسند کریں گے یا ایک غریب مگر آزاد انگلستان کو، ہم جس مقصد کے لئے پاکستان بنا رہے ہیں وہ عظیم نصب العین ذاتی آسائش یا عارضی آرام کے سوالوں سے کہیں بلند و بالا ہے۔ مسلمان سخت جان قوم ہیں۔ چھریرے اور مضبوط، اگر پاکستان بننے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ذرا سخت جان بننا پڑے گا تو وہ شکایت نہیں کریں گے مگر اس کا یہ مطلب کیسے ہوگیا کہ یہ آزادی ان کے لئے اقتصادی بار ہوگی؟

پاکستان کے پہلے دونوں رہنماؤں یعنی محمد علی جناح اور قائد ملت لیاقت علی خان نے دو باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا تھا کہ (ا) ملکی آزادی تبھی بامعنی ہوسکتی ہے کہ مالی معاملات میں ملک اپنے ہی ذرائع آمدنی پر انحصار کرے اور دوسروں کا محتاج، مقروض اور عادی بھکاری بن کر نہ رہ جائے،

(۲) نوکر شاہی کا حلقہ بڑا مختصر اور محدود ہو اور اس کو پالنے پر خرچ اس قدر کم ہو کہ ملکی وسائل اور آمدنی اس کو برداشت کرسکیں۔

آپ حیران ہوں گے کہ پاکستان کا ابتدائی سالوں کا بجٹ بچت کا بجٹ ہوا کرتا تھا۔ پہلے سال بانی پاکستان نے وطن عزیز کا جو بجٹ پیش کیا وہ فاضل بجٹ تھا۔ جس میں قرض کے لیے رتی بھر گنجائش نہ رکھی گئی تھی۔ انکا کہنا تھا کہ اگرچہ ملک نوزائیدہ ہے، مشکلات ومسائل کا انبار ہے مگر ان سب پر قابو ہم اللہ پر اعتماد اور توکل کے ذریعے ہی پاسکتے ہیں۔ اس وقت عالیشان عمارات نہیں تھیں۔ حکام کھلے میدان میں اور فٹ پاتھوں پر اپنے عملہ سمیت اپنی میز لگا کر بیٹھ جاتے اور عوام کے مسائل حل کرتے۔ نیا کاغذ نہ ملا تو کوئی بات نہیں، استعمال شدہ کاغذ کی پشت پر ہی احکامات جاری کیے جاتے۔ کامن پن کے بجائے درختوں کے کانٹے استعمال کرلیے جاتے۔ خود قائد اعظم، وزیر اعظم لیاقت علی اور دیگر حکام بااصول، دیانتدار، ثابت قدم اور قومی دولت کی حفاظت کرنے والے تھے۔ ان کی شب و روز کی محنتوں سے چند سالوں میں ہی ابتدائی مشکلات پر قابو پالیا گیا۔ اور وہ لوگ بالکل ناکام ونامراد اور مایوس ہوکر رہ گئے جو کہا کرتے تھے کہ پاکستان تو چند دن بھی نہیں چل سکے گا۔ اس وقت ملکی اقتصادیات کی بنیاد زرعی اجناس ہی تھیں۔ بیرونی دنیا میں ان زرعی اجناس کی بڑی مانگ تھی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور تجارت کا توازن پاکستان کے حق میں تھا۔ ستمبر ۱۹۴۹ء میں برطانیہ کو اپنے سکے میں تقریباً ایک تہائی کی کرنا پڑی تو پاؤنڈ کے ساتھ وابستہ ہونے کی بنا پر بھارت کو بھی اپنے روپے کی قیمت کم کرنا پڑی۔ مگر اس وقت پاکستان کی پوزیشن بیرونی تجارت اور زر مبادلہ کے لحاظ سے محفوظ تھی۔ اس لیے پاکستان نے دباؤ کے باوجود اپنے اقتصادی استحکام کی بنا پر روپے کی قیمت میں کمی نہ کی۔

موجودہ معاشی حالات........ حکمرانوں کے لیے لمحہ فکریہ

مگر افسوس ان دونوں قائدین کے رخصت ہوتے ہی حالات بدل گئے۔ بااثر اور بااختیار طبقے عوام کی خدمت کی بجائے ذاتی مفاد کو ترجیح دینے لگے۔ نوکر شاہی ملک پر قابض ہوگئی اور زندگی کے ہر شعبے میں اس نے پاؤں جمالئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اخلاقی قدریں بدل گئیں۔ بااختیار طبقہ اپنے فرائض سے غافل ہوکر دولت سمیٹنے اور شاہانہ نمود و نمائش اختیا کرنے میں مگن ہوگیا۔ محنت، خلوص اور دیانتداری کی جگہ حرام خوری، بدعنوانی اور رشوت نے لے لی۔ اب ہر کوئی دولت کو معیار سمجھتا ہے۔ معاشرتی ذمہ داریوں سے بیزار اور قومی ذمہ داریوں سے آزاد رہنا چاہتا ہے۔ امانت، دیانت اور خلوص تو صرف کتابی باتیں بن کر رہ گئی ہیں جبکہ خود غرضی اور مفاد پرستی عملی سبق ہیں۔ زر مبادلہ کا بیشتر حصہ حکمران طبقہ کے شاہانہ کروفر اور عیاشیوں پر اٹھ جاتا ہے، ہر کوئی خزانہ کو لوٹتا ہے، کوئی ذاتی مفاد کی خاطر کوئی نیک مقصد کی خاطر (جس طرح صدر ضیاء الحق ہر سال ایک بڑی پارٹی لے کر باقاعدگی کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے جایا کرتے تھے) اور کسی کا قومی مفاد میں غیر ملکی دوروں پر دوستوں، رشتہ داروں کی کثیر فوج ساتھ لے کر جاتا۔

اندورنی وبیرونی اعداد وشمار کے مطابق اس وقت پاکستان ۳۲ ارب ڈالر کا مقروض ہے۔ دو ارب سالانہ تو اس وقت صرف ان قرضوں کے سود کی مد میں ادا کیا جارہا ہے۔ ان قرضوں اور سود کی ادائیگی کے لیے ہر سال ہمارا قومی بجٹ کا ۴۰% حصہ وقف ہوتا ہے۔ اس طرح اس وقت وطن عزیز میں پیدا ہونے والے ہر بچے کے سر پر اندازاً پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) روپے کا قرضہ لدا ہوتا ہے۔

اگر یہ قرضے بجا طور پر استعمال ہوتے تو لازما ملک میں بڑی خوشحالی اور رباغ وبہار ہوتی۔ قوم بیروزگاری کے عذاب سے بھی نجات حاصل کرلیتی اور ملک زرعی، صنعتی وفنی تعلیمی غرض ہر لحاظ سے اپنی مثال آپ ہوتا اور عوام کا معیار زندگی بلند ہو چکا ہوتا۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدا اصل صورت حال بڑی دلخراش ہے۔ معیار تعلیم بہت ابتر ہے تو شرح خواندگی قلیل ہے۔ ملکی صنعت اور انڈسٹری کی حالت دگر گوں ہے۔ بیشتر ملیں مناسب حالات نہ ہونے کی وجہ سے بند پڑی ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باوجود زرعی ملک ہونے کے پاکستان کو گندم درآمد کرنا پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر ۹۵،۹۶ میں پاکستان کو آسٹریلیا سے صرف گندم ہی پچانوے کروڑ ستر لاکھ کی درآمد کرنا پڑی تھی۔ جب کہ عام آدمی کی زندگی مہنگائی کی چکی تلے پس رہی ہے۔ فون، بجلی، گیس وغیرہ کے بل اتنے زیادہ ہو گئے ہیں کہ محسوس یوں ہو رہا ہے کہ اس وقت ملک میں متوسط طبقہ رہا ہی نہیں یا تو جاگیردار، سرمایہ دار اور وڈیرے ہیں، یا پھر خط افلاس کے بھی نیچے گزارہ کرنے والے بے بس و بے کس عوام جن کی کمریں مہنگائی کے عذاب اور بڑھتے ہوئے بلوں نے توڑ ڈالی ہیں۔ اوران گرانقدر قرضوں کی بوجھل رقمیں ہمارے موجودہ وسابق حکمرانوں، سینٹ اور اسمبلی کے ارکان، فوج کے بڑے بڑے عہدیداروں اور بیورو کریسی کے بڑے بڑے افسروں کے گھروں میں پہنچ چکی ہیں۔ یہ لوگ ان قرضوں سے اتنی بڑی بڑی تنخواہیں لیتے ہیں کہ غریب عوام اس کا تصور تک نہیں کرسکتے۔ اور اب تو اخبار و رسالہ جات اس لوٹ مار کو بار بار شائع کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر واپڈا کے ایک مشیر شاہد حفیظ صرف مشاورت کے نام پر ادارے سے روزانہ ۱۲ ہزار روپے وصول کرتے رہے ہیں، وہ چھٹی کے دن کے بھی بل وصول کرتے ہیں۔ (روزنامہ "دن" ۱۶ اکتوبر ۹۸ء) یا سی۔ بی۔ آر کے ایک چیئرمین کو ایک لاکھ پچھتر ہزار روپے ماہانہ تنخواہ کے علاوہ ۵۰ ہزار روپے کرایہ مکان اور ۲۵ ہزار روپیہ یوٹیلٹی چارجز، ایک لاکھ روپیہ ہاؤس بلڈنگ کی قسط، ۱۰ ہزار ڈالر فی بچہ تعلیمی الاؤنس، کاریں مع ڈرائیور اور پاکستان میں اعلیٰ ترین طبی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔

پھر بے نظیر حکومت کے اگر سرے محل کے تذکرے پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ کا موضوع بنے تو خود نواز شریف نے حکومت میں آکر کونسی کسر چھوڑی۔ وہ ملک کے ۳۰ بڑے صنعتی یونٹوں کے مالک ہیں۔ رائے ونڈ جیسی شاہانہ سٹیٹ کونسی کم تھی جو آبزرور کی غیر ملکی مصدقہ رپورٹ نے موجودہ وزیر اعظم کی لوٹ مار پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔

عوام میں اب زبردست رد عمل پایا جاتا ہے "عیش کریں حکمران، قربانی دیں عوام" کے نعرے جگہ جگہ زبان زد عام ہیں۔ آخر عوام کو پیٹ پر پتھر باندھنے کا حکم کیوں دیا جاتا ہے اس لیے "قرض اتارو ملک سنوارو" کی سکیمیں بری طرح ناکام ہو چکی ہیں۔ قرضے کھانے والوں کی آئندہ کئی نسلیں بھی سنور گئی ہیں جب کہ عوام کی آنے والی نسلیں بھی سترہ ہزار فی کس کے حساب سے قرضوں کے بوجھ تلے کراہ رہی ہیں۔

دوسری طرف عالمی ادارے پاکستان پر زبردست اقتصادی پابندیاں لگا کر اس کو نادہندہ قرار دینا چاہتے ہیں۔ نادہندہ ہونے سے بچنے کے لیے اور قرضوں کی تازہ قسط حاصل کرنے کے لیے موجودہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت کس طرح جگہ جگہ کشکول گدائی اٹھائے بھیک مانگنے کے لیے ماری ماری پھر رہی ہے۔ پریشانی اس وقت بڑھ جاتی ہے، جب پتہ چلتا ہے کہ خود اسلامی بنک بھی پاکستان کو عالمی اداروں کی اجازت اور منظوری کے بغیر قرض نہیں دے سکتا۔

دراصل حکمرانوں نے کبھی وطن عزیز کے لیے کوئی مستقل پالیسی بنائی ہی نہیں، ہر وقت ہنگامی اور فوری منصوبے بنتے ہیں، وقت کو ٹالنے کے لیے۔ عوام کو ہر وقت "خزانہ خالی ہے۔ پہلے حکمران سب کچھ لوٹ کر کھا گئے" کی ہی نوید سنائی جاتی ہے ۔ صورت حال اس سال جتنی گھمبیر اور نازک ہے اور ورلڈ بینک کو قرضہ کی قسط واپس ادا کرنی جتنی مشکل ہو رہی ہے، اگر یہ "ڈنگ ٹپاؤ" پالیسی ہی جاری رہی تو اگلے سال ۹۹ء میں قرضہ کی قسط ادا کرنے میں اس سے بھی زیادہ دشواری پیش آئے گی ۔ دوسری طرف اپنے بجٹ کو چلانے کے لیے مزید قرضہ لینا پڑے گا، ملک میں مزید مہنگائی کا سیلاب آئے گا۔ آئندہ کے لیے جتنا بھی سوچیں، اتنا ہی مشکل مرحلہ نظر آتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہل فکر و نظر اور دانشور چیخ چیخ کر احتساب، احتساب کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ مگر احتساب کرے کون؟ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے؟ بیشک احتساب کے ڈرامے تو بہت ہوتے ہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ چور کا احتساب چور نہیں کر سکتا۔ خود موجودہ وزیر اعظم کے خاندان نے ۲۰ کروڑ ڈالر قومی بینکوں سے قرضہ لے رکھا ہے ۔ یہ کروڑوں کے قرضے واپس نہ کریں اور کروڑوں روپے کے انکم ٹیکس بچانے کے الزامات بھی ان پر مستزاد ہیں۔ دوسری طرف وطن عزیز مقروض سے مقروض تر ہوتا جا رہا ہے۔

فیصلہ کن قدم .... انقلابی اقدامات کی ضرورت

وہ وقت کب آئے گا جب حقیقی طور پر خود انحصاری کی راہ اختیار کرنے والی حکومت ہمیں نصیب ہو گی ۔ پاکستان کو "ایشیائی ٹائیگر" بنانے اور "کشکول توڑنے" کا ایجنڈا لے کر منتخب ہونے والی حکومت نے مایوسی ہی مایوسی پیدا کی ہے۔ اس وقت صالح اور دیانتدار قیادت اور درست منصوبہ بندی کی وطن عزیز کو جتنی ضرورت ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ ایٹمی دھماکوں جیسا جرات مندانہ قدم اٹھانے کے بعد تو عوام کو خود انحصاری کے لیے ایک نیا ولولہ وجذبہ ملا ۔ مگر حکومت کے مابعد اقدامات نے فوراً ہی اس جذبہ و ولولہ کو سرد کر دیا۔ ہمارا ہمسایہ ملک چین ۱۹۵۰ء میں یعنی ہم سے تین سال بعد آزاد ہوا، مگر انہوں نے کتنی جلدی خود کفالت کی منزل حاصل کرلی۔ حکمران طبقہ نے سادگی اور خلوص کو اپنایا، امیر و غریب، حاکم و رعایا کا فرق ختم کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے اپنے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عزم اور ان تھک محنت سے اقوام عالم میں ممتاز مقام حاصل کرلیا، اسی طرح پہلی جنگ عظیم کے بعد لیگ آف نیشنز قائم ہوئی تو اس کے ایک اجلاس میں ہندوستان کی طرف سے شامل ہونے والے وفد میں سر عبدالقادر بھی شامل تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ اجلاس کے دوران لنچ کے لئے وقفہ ہوا تو سب لوگ ہوٹلوں کی طرف دوڑے، جب ہم کھانا کھاکر واپس آئے تو ہم نے جرمنی کے دونوں نمائندوں کو دیکھا کہ وہ کانفرنس ہال کے باہر سیڑھیوں کے قریب کھڑے ہیں اور کھانا کھانے کے لئے کہیں نہیں گئے۔ ہم نے سبب پوچھا تو بولے: حال ہی میں تو ہمارا ملک اتنی بڑی شکست سے دوچار ہوا ہے۔ ایک شکست خوردہ قوم کے نمائندوں کو بڑے ہوٹلوں میں کھانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہم نے اپنی جیب سے ڈبل روٹی نکال کر کھالی ہے۔ یہی احساس تھا جس کے تحت مغربی جرمنی اپنی تقدیر بدلنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور آج اس نے عالمی سیاست میں بڑا مقام حاصل کرلیا ہے۔

دور جدید میں بیشتر مغربی جمہوری ملکوں میں حکمران طبقہ ہربات کے لئے پارلیمنٹ میں جواب دہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے گھروں اور دفتروں میں کوئی شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ دیکھنے میں نہیں آتا۔ جاپان، سویڈن، برطانیہ یا کسی بھی ترقی یافتہ مغربی جمہوری ملک کی مثال لے لیں وہاں عوام اور افسروں میں ظاہری طور پر کوئی فرق نظر نہیں آتا..... اور حکمران طبقہ خلوص اور سادگی سے عوام کی خدمت میں مصروف ہوتا ہے۔

خود کفالت کی منزل کیسے؟

ذیل میں، میں چند نکات کی طرف توجہ دلانا چاہوں گی، جن کو مدنظر رکھ کر ہم اپنا نصب العین حاصل کرسکتے ہیں:

(ا) مسائل کے حل کے لیے کوشش اور عوامی اعتماد کی بحالی: داخلی وسائل میں سب سے بڑا وسیلہ تدبر ہے۔ اگر معاملات کے سیاسی حل تلاش کئے جائیں اور عوام میں اعتماد بحال کیا جائے تو وہ خود ہی محسوس کرنے لگتے ہیں کہ یہ ملک ان کا اپنا ہے اور انہوں نے اس کی بحالی کے لئے بھرپور کام کرنا ہے۔ ہماری معیشت کی ریڑھ کی ہڈی تو کسان ہے جو کل ملکی آبادی کا ۷۲% ہے۔ وہ بیچارا ان تھک کام کرنے کے باوجود تعلیم، صحت، صفائی وغیرہ کے بنیادی حقوق سے محروم ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کا دو وقت پیٹ بھی صحیح طور پر نہیں بھر سکتا۔ مزدوروں اور تنخواہ دار طبقوں کا بھی یہی حال ہے۔ زمیندار، تاجر، صنعتکار، ان بیچاروں کا استحصال کر رہے ہیں۔ متوسط اور غریب طبقہ کی کمر ٹیکسوں نے دوہری کر رکھی ہے مگر اس کے بدلے ان کو ملتا کیا ہے، سوائے احساس محرومی کے؟

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ احساس محرومی آگے بیشمار نفرتوں اور عصبیتوں کو جنم دیتی ہے- اس تمام صورت حال کو حسن تدبر سے بدلنا از حد ضروری ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو محکوم اور مظلوم نہ سمجھیں بلکہ اپنے کو ملک کے اصل مالک سمجھیں اور ترقی کی دوڑ میں برابر کے شریک ہو کر باعزت و باوقار زندگی گذار سکیں-

(۲) صحیح منصوبہ بندی اور جوہر قابل کی اندرون ملک کھپت: پاکستان کو اللہ نے بے شمار قدرتی وسائل سے مالا مال کیا ہے- مثلاً بہتر جغرافیائی پوزیشن، زرخیز زمین، افرادی قوت، خاص نظریاتی و تمدنی ماحول اور معدنیات کی فراوانی وغیرہ اور اب ملک فنی مہارت میں کافی حد تک آگے بڑھ گیا ہے- پھر ہمارے ہاں زکوۃ اور عشر کے نظام سے بھی کافی آمدنی ہو جاتی ہے- مگر ان وسائل کو صحیح طور پر استعمال نہیں کیا جارہا- اقتصادی ترقی کا راز تو پیداوار بڑھانے پر منحصر ہے- جب تک صحیح منصوبہ بندی نہ کی جائے اور ان قدرتی وسائل کو صحیح طرح استعمال نہ کیا جائے خاطر خواہ نتائج کیسے حاصل ہوسکتے ہیں- ہماری زمینیں تو سونا اگلتی ہیں، مگر اس کا کیا علاج کہ وڈیرں اور جاگیرداروں نے بڑی بڑی زمینیں اپنے نام الاٹ کرا رکھی ہیں اور وہ کاشت کے بغیر بیکار پڑی ہیں- اسی طرح بے شمار زرخیز زمینوں پر اس وقت اندھا دھند رہائشی منصوبے تعمیر ہو رہے ہیں- بہت سے جنگلات مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کے باعث روز بروز سکڑتے جارہے ہیں- بہت سے فنی ماہرین ملک میں قدر نہ ہونے کے باعث باہر کا رخ کرلیتے ہیں- اگر ان تمام داخلی وسائل کو بھرپور طریقے سے استعمال کیا جائے تو لازماً ہماری معیشت مستحکم ہو-

(۳) سکیموں پر عمل درآمد صحیح طریقے سے ہو: کسی منصوبہ کی کامیابی یا ناکامی کا تعلق اس کو چلانے والے افراد کار سے ہوتا ہے- اگر پالیسی نافذ کرنے والے افراد یا ادارے درد مند دل رکھتے ہوں- خدا ترسی اور خدمت عوام کے جذبے سے سرشار ہوں تو وہ نامساعد حالات میں بھی معجزے کر دکھاتے ہیں، مگر جہاں ذمہ دار اہلکار عوام کے نام پر اپنے گھر بھرنے والے ہوں، لوگوں کا حق اپنے اعزہ و اقارب میں بانٹنے والے ہوں، وہاں سنہری منصوبے بھی دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں- گذشتہ تیس سال کے بیشتر منصوبے اسی طرح غت ربود ہوئے ہیں- اگر یہ منصوبہ بندی اسی طرح عمل میں آتی جیسا کہ منصوبے بناتے وقت ارادے ظاہر کئے گئے تھے تو اب تک سائنس، تعلیم اور مشین سازی میں بہت زیادہ پیش رفت ہوگئی ہوتی- لہٰذا ضرورت ہے کہ انتظامیہ کی تطہیر کی جائے، جائیدادیں بنانے والوں کو فارغ کر دیا جائے، اور ایسے لوگ بھرتی کئے جائیں جو عوام میں اپنے خلوص، دیانتداری اور خدا ترسی کی بنا پر نیک شہرت رکھتے ہوں-

(۴) احتساب: ہمارا بااختیار طبقہ مختلف انداز سے خزانہ اور عوام کو لوٹتا ہے مگر اپنے اختیار

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی بنا پر قانون کی گرفت سے محفوظ رہتا ہے۔ مثلاً اگر سپاہی رشوت لے تو پکڑا جاتا ہے۔ اگر کوئی افسر لے تو اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ ڈاکو اور اغوا کنندگان دن دہاڑے ایسی وارداتیں کرتے ہیں۔ مگر قانون نافذ کرنے والے ادارے مخصوص وجوہات کی بنا پر ان پر ہاتھ نہیں ڈالتے۔ بموں کے دھماکے کرنے اور عوام کے جان و مال سے کھیلنے والے تخریب کار کو گرفتار کرلینے کے باوجود کیوں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بیوروکریسی قومی خزانے کو اتنی بے دردی سے خرچ کرتی ہے۔ سرکاری ترقیاتی منصوبوں کے بڑے بڑے ٹھیکے دیئے جاتے ہیں۔ مگر تعمیر اتنی ناقص ہوتی ہے کہ پھر کروڑوں روپیہ ان کی مرمت کی مد میں رکھنا پڑتا ہے۔ آخر ایسے ٹھیکیداروں کا احتساب کیوں نہیں ہوتا؟ ہمارے ٹیکس افسروں کے وسیع اور شاہانہ اختیارات پر قدغن کیوں نہیں لگائی جاتی۔ ترقیاتی منصوبوں کو کاغذوں میں دفن کر دینے والوں کو کیوں نہیں پوچھا جاتا۔ سرکاری محکموں میں بار بار غبن ہوتا ہے۔ سرکاری شعبوں میں چلنے والی ملیں اور کارپوریشنیں کیوں خسارے میں جاتی ہیں۔ سرکاری سٹور کی ہوئی اجناس کیوں عدم حفاظت اور تساہل کی بناپر ضائع ہوتی رہتی ہیں۔ بلدیاتی ادارے جو ترقیاتی سکیمیں بناتے ہیں وہ بھی عوام کو لوٹ کر ہضم کرجاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے۔ اسی طرح ناقص برآمدات نے بیرون ملک پاکستان کے وقار کو مجروح کردیا ہے۔ اسی طرح ملاوٹ کرنے والوں اور ناقص مصنوعات تیار کرنے والوں کو کیوں نہیں چیک کیا جاتا۔ ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ ارکان اسمبلی جو عوام کے نمائندے ہیں اور جن کا کام یہ ہے کہ وہ حکمران طبقہ کی کارگزاریوں پر کڑی نظر رکھیں اور ان کو راہ راست کی طرف چلنے پر مجبور کریں۔ ان کو ہمارے ملک میں وسیع پیمانے پر ترقیاتی سکیموں کے نام سے سیاسی رشوت صرف اس لئے دی گئی ہے کہ اس حمام میں سب ننگے ہوجائیں۔ جب یہ عوامی نمائندے خود ہی اس لوٹ کھسوٹ میں شامل ہوجائیں گے تو پھر احتساب کون کرے گا؟ اور بدعنوانیوں کو کون روکے گا۔؟ بے نظیر حکومت اور نواز شریف حکومت باری باری قومی خزانہ لوٹ رہے ہیں۔ جب سارے ہی چور ہوں تو احتساب کون کرے۔؟

مگر یہ حقیقت ہے کہ جب تک احتساب اور چیکنگ کا نظام سخت نہیں ہوتا اور قومی خزانہ اسی طرح لٹتا چلا جاتا ہے۔ قومی معیشت کو سنبھالا نہیں مل سکتا۔

(۵) قومی وسائل کے ضیاع کی روک تھام: قومی دولت اور بھی بے شمار طریقوں سے ضائع ہو رہی ہے۔ افسوس اس مختصر مضمون میں یہ سب کچھ پیش کرنا ناممکن ہے مگر اشارات بہرحال ضروری ہیں۔ مثلاً بحری، بری اور فضائی تینوں راستوں سے سمگلنگ ہو رہی ہے اور ملکی ضروریات کا نصف حصہ سمگلنگ کے ذریعے ملک میں آرہاہے اور اس سے زیادہ منشیات برآمد کی جارہی ہیں۔ اور وہ تمام

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادارے جو اس کالے دھندے کو روکنے پر متعین ہیں وہ خود اس کی سرپرستی کر رہے ہیں۔ ٹیکسوں کی وصولی کا نظام ناقص ہے۔ پھر ملک میں درآمد ہونے والا آدھا مال دکھایا جاتا ہے۔ باقی آدھا مال کارندے رشوت لے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر بدعنوانی اور بے ایمانی سے دولت سمیٹنے والے ملکی معاملات میں دخیل ہوتے جاتے ہیں جب ان کا کوئی محاسبہ نہیں ہوتا، تو اس سے مزید بدعنوانی، رشوت اور بے انصافی کو فروغ ملتا ہے، محنت اور ترقی کے راستے بند ہوجاتے ہیں اور بے روزگاری کو فروغ ملتا ہے۔

پھر ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ملک سے کالا دھن حاصل کرکے بیرون ملک یا تو بینکوں میں جمع کرا دیتے ہیں یا اپنے غیر ملکی رشتہ داروں کو منتقل کردیتے ہیں۔ اس طرح یہ کالا دھن جو ملکی معیشت اور ترقی کو سنبھالا دے سکتا ہے۔ غیر ملکوں کی ترقی میں لگ جاتا ہے ایسے لوگوں کے لئے اگر باہر جانے پر یا باہر سے ملک میں آنے پر پابندیاں عائد کردی جائیں تو اس طرح ٹیکسوں کی چوریاں بھی ختم ہوں اور ملکی دولت ملک ہی میں استعمال ہو۔

اسی طرح وڈیروں اور جاگیرداروں نے سول اور فوجی افسروں نے جو کروڑوں ایکڑ زمینیں کوڑیوں کے مول خرید کر رکھ دی ہیں۔ نہ خود استعمال کرتے ہیں نہ اسے زیر کاشت لاتے ہیں۔ اس طرح ملکی زمین کا بیشتر حصہ بنجر پڑا ہے۔ ایسی تمام زمینوں پر حکومت زرعی ٹیکس لگادے۔ ٹیکس لگانے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ یا تو وہ خود زمین کو کاشت کریں گے یا حکومت کو واپس کردیں گے۔ حکومت پھر اس زمین کو کسانوں اور ہاریوں میں تقسیم کرکے ملک میں زرعی انقلاب لاسکتی ہے۔

ہمارے ہاں ملکی وقومی وسائل کا ضیاع مختلف انداز سے ہو رہا ہے مثلاً (i) حکمرانوں اور اہل اقتدار کے ٹھاٹھ باٹھ اور شاہ خرچیاں ہی تمام ملکی وسائل پر قابض ہیں - جب کہ ملک کی پوری چوتھائی آبادی دو وقت کے کھانے کا بندوبست کرنے سے معذور ہے۔

(ii) سود کی ادائیگی میں ضیاع: اگر یہی صورت حال صرف دو سال اور رہی تو پھر ملک کے ریونیو کی تمام آمدنی صرف اسی قرض مع سود کو ادا کرنے کی نذر ہوجائے گی - انا للہ وانا الیہ راجعون!!!

(iii) بنکوں کے نادہندہ قرض داروں نے تمام بنکوں کو دیوالیہ کر دیا ہے۔ اب یہی نادہندہ بااثر افراد بینکوں کو بار بار قواعد وضوابط تبدیل کرکے نئے قرض دینے پر مجبور کردیتے ہیں۔

(iv) ٹیکس چوروں نے بھی ملکی خزانہ کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ سی بی آر کی تنظیم نو کے باوجود ٹیکس چوری اسی طرح جاری ہے - اور یہ بالعموم مرکزی اور صوبائی حکومتیں اور انکے ماتحت چلنے والی کارپوریشنیں ہیں جو عموماً نادہندہ ہوتی ہیں - اسی طرح ملکی پرائیویٹائزیشن کے نام پر حکمرانوں نے بہت کچھ کھایا بیش قیمت سرکاری املاک کوڑیوں کے مول اپنے اعزہ واقارب میں تقسیم کر دی گئیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نجکاری کے نام پر ملکی خزانہ بری طرح لوٹا گیا۔

(۷) بے شمار کارخانے اور ملیں اس وقت مناسب حالات نہ ہونے کی بنا پر بند پڑی ہیں جب کہ مہنگے بیرونی تھرمل معاہدوں نے ملک کے اقتصادی بحران کو مزید سنگین بنادیا ہے۔

یہ بیرونی قرضے ایک کینسر ہیں جن کا آپریشن کرنا ضروری ہے۔ معاشی بحران کا حل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک حالات کی صحیح تشخیص نہ ہو۔ قرضوں کی لعنت سے نجات نہ ملے اور سود کے وبال سے ہماری رہائی نہ ہو، دوسری طرف اپنی منزل مقصود کا واضح تعین کیا جائے۔ اپنی ترجیحات کی نشاندہی ہو، معاشرے کے تمام طبقوں تک بنیادی ضروریات زندگی پہنچائی جائیں۔ ان میں اعتماد بحال کیا جائے، اسلامی تعلیمات کو عام کر کے ہر خاص وعام میں اپنے فرائض ادا کرنے اور دوسروں تک ان کے حقوق پہنچانے کا شعور بیدار کیا جائے۔ جذبہ حب الوطنی، ایثار، ہمدردی اور خیر خواہی کو عام کیا جائے اسی طرح چھوٹی صنعتوں کے ذریعے ہر شخص کو محنت پر لگا کر سب سے زیادہ ضروری مسئلہ ملک کو لوٹنے والوں کا احتساب کرنا ہے۔ جب تک احتساب نہیں ہوتا۔ لوگوں کو نہ انصاف مل سکتا ہے۔ نہ دلوں کا امن، چین اور سکون۔ وہاں زندگی کا وقار رہتا ہے، نہ مستقبل کا اعتبار۔ اگر یہ کام ہو جائیں تو وطن عزیز میں قوت کے نئے نئے سوتے پھوٹ پڑیں گے۔

ڈاکٹر محمد اسد خاں نے (جو ضیاء الحق کے دور میں وزیر پٹرولیم وقدرتی گیس تھے) لکھا ہے:

"ملک بھر میں ۱۴۰ ارب سے زائد کے بینک قرضے نادہندگان ہڑپ کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ غیر ملکی جرائد واخبارات میں ایسے افراد کی فہرستیں شائع ہو رہی ہیں جن کے فارن اکاونٹس میں چالیس بلین ڈالر سے زیادہ کی رقم موجود ہے اگر یہ بات صحیح ہے تو فی الفور ہنگامی طور پر یہ رقم واپس لے کر عالمی مالیاتی اداروں کے قرضے واپس کرنا چاہیں جب کہ اس کے بعد بھی اس میں سے اتنی رقم بچ جائے گی کہ اس سے ملک میں ڈیم، بجلی گھر، سڑکیں پل اور اصلاح زراعت کے کام کیے جاسکتے ہیں"

(۶) **سادگی اور کفایت شعاری:** لازمی ہے کہ حکمران اور بااثر طبقہ اپنے ٹھاٹھ باٹھ ختم کر کے سادگی اپنائے یہ۔ غریب ملک بڑی کاروں، عالیشان بنگلوں اور شاہانہ معیار زندگی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح لمبی چوڑی کابیناؤں کو بھی مختصر کیا جانا چاہیے۔ لہٰذا حب الوطنی کا تقاضا ہے کہ حکمران اور بااختیار طبقہ خوراک لباس اور رہائش میں سادگی اختیار کرے۔ ملکی مصنوعات استعمال کرے۔ اور غیر ملکی اشیاء کی حوصلہ شکنی کرے۔ غیر ضروری درآمدات بند کردے، اس سے ملکی معیشت کو بہت سنبھالا مل سکتا ہے اور ملک کا ہر باشندہ خوراک، لباس، تعلیم، رہائش جیسی بنیادی ضروریات سے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستفید ہو سکتا ہے۔

(۷) میرٹ کی پابندی: ہمارے ہاں ماہر اور قابل افراد کی کمی نہیں۔ مگر جب رشوت اور سفارش کی بنا پر نااہل لوگ آگے آجاتے ہیں تو مستحق اور قابل افراد بد دل ہو کر باہر کا رخ کر لیتے ہیں، اس وقت ہمارے کتنے ڈاکٹر، انجینئر اور ماہرین غیر ممالک کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ایسے جوہر قابل کی مناسب حوصلہ افزائی کر کے ان کو ملک کے اندر کھپایا جائے تاکہ ہم ضروری مشینری اپنے ملک ہی میں تیار کر سکیں، ہماری پالیسی بہرحال یہی ہونی چاہئے کہ ہمیں سوئی سے لے کر ہوائی جہاز تک خود بنانا ہے اور جو نااہل لوگ آگے آگئے ہیں، ان کو قومی غیرت کا ثبوت دیتے ہوئے خود ہی پیچھے ہٹ جانا چاہئے۔ اگر نہ ہٹیں تو ان کو سبکدوش کردیا جائے۔ تو یہ ملک پر بڑا احسان ہوگا۔ ہندوستان کے سابق وزیراعظم لال بہادر شاستری جب محکمہ ریلوے کے وزیر تھے تو ان کے دور میں ایک ٹرین کو حادثہ پیش آگیا۔ اس پر انہوں نے نااہلی کا اعتراف کرتے ہوئے استعفیٰ دے دیا۔ کیا ہمارے ملک میں بھی اسی طرح کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی

حرفِ آخر

اس وقت وطن عزیز میں سرکاری سطح پر شریعت کے نفاذ کا بہت پرچار کیا جارہا ہے۔ لازم ہے کہ ہم اپنے مسائل کے حل کے لیے شریعت کو اپنے ہاں مخلصانہ طور پر رائج ونافذ کریں۔ قرضوں پر مبنی معیشت کا نظام ختم کریں۔پارلیمنٹ باقاعدہ قانون کے ذریعے سودی لین دین کو ختم کردے اور خود انحصاری حاصل کرنے کے لیے متبادل نقشہ ترتیب دے۔ اندرونی وبیرونی تمام معاہدے از سرنو ترتیب دیے جائیں۔ یہ بنیادی فیصلہ ہمیں بالآخر کرنا ہی پڑے گا، جو ہمارے دین وایمان کی بنیاد ہے مسلمان کے لیے سود لینا اور دینا کسی طرح بھی روا نہیں ، اور پھر ہمارا شدید معاشی بحران بھی اس حکمت عملی کا تقاضا کر رہا ہے۔ آخر کب تک ہم غیروں کے آگے جھکتے چلے جائیں گے، وہ تو ہمارا وجود ہی مٹا دینے کے درپے ہیں۔ زبردستی ہم سے سی ٹی بی ٹی کے معاہدے پر دستخط کروانا چاہتے ہیں۔غرض خود انحصاری کی پالیسی پر سختی سے قائم رہنے سے ہم تین سال کے اندر اپنی معیشت کو سنبھالا دے سکتے ہیں۔ اور اپنی خودی وخودداری کو برقرار کرسکتے ہیں۔ ع

تیری زندگی اسی سے، تیری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی

ایٹمی قوت بننے کے بعد یہ معاشی استحکام حاصل کرنا ہمارے لیے اور بھی ضروری ہوگیا ہے مگر

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطلوب و مقصود حاصل کرنے کے لیے اصل ضرورت عزم وارادہ کا خلوص ہے جس کا اظہار ہر سطح پر ہونا چاہیے اگر قیادت خود انحصاری کا عزم رکھتی ہے، تو پھر اصلاح احوال ممکن ہے- جب بھی حکمران عزم خود انحصاری لیکر میدان عمل میں نکل آئیں گے، اللہ تعالی خود پردۂ غیب سے مدد فرمائے گا- اہل صلاحیت اور تجربہ کار ماہرین بھی ان کو مل جائیں گے- اور پھر مناسب احتساب کا نظام بھی قائم کرنا آسان ہو جائے گا-

اس سلسلے میں اہم ترین مثال سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ کی ہے- انہوں نے تقوی اختیار کرتے ہوئے صرف ڈھائی سال کے قلیل عرصے میں اموی شہنشاہی نظام کو خلافت راشدہ کی طرز پر ڈھال دیا تھا- انہوں نے اپنی ذات سے اصلاح کا آغاز کیا پھر اپنے گھرانے اور خاندان اور قبیلہ کو اصلاح کی طرف دعوت دی- حق گوئی، حق پرستی، اصولوں پر مصالحت نہ کرنا، ظالم حاکموں کا احتساب، مظلوموں کی داد رسی کا اہتمام کیا- اور صرف خوف خدا کو پیش نظر رکھتے ہوئے، دنیاوی نتائج سے بے پروا ہو کر غلط نظام کو سرے سے بدل ڈالا - قیادت کے اسی نمونہ کی آج بھی قوم کو ضرورت ہے- ادر ایسے نمونے صرف اور صرف خوف خداوندی، خلوص اور دیانتداری ہی کی بنا پر وجود میں آسکتے ہیں - لہذا حکمرانوں کو مختصر کابینہ، سرکاری خزانے کو امانت سمجھنا، اہل لوگوں کو عہدے دینا، کفایت شعاری سے کام لینا، اقربا پروری اور خویش نوازی سے گریز کرنا بڑا ضروری ہے- اللہ رب العزت کا ارشاد ہے ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الاعراف) ” اگر بستی والے لوگ ایمان لاتے اور اللہ سے ڈرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی تمام برکتوں کے دروازے کھول دیتے-“ اللہ تعالی کا فرمان کبھی جھوٹ نہیں ہو سکتا- مخلص مومن بننے اور اللہ کا نظام وطن عزیز میں رائج کرنے سے ہمارا معاشی بحران ختم ہو سکے گا اور خوشحالی و فارغ البالی سے اللہ تعالی ہمیں ہمکنار فرمائے گا

اپنی دنیا آپ پیدا کر گر زندوں میں ہے
سرّ آدم ہے ضمیرِ کُن فکاں ہے زندگی

اعتذار: اعلان کیا گیا تھا کہ شمارہ دسمبر ۹۸ء میں مدیر اعلی محدث کی علامہ ناصر الدین البانی سے اُردن میں ملاقات / انٹرویو اور مولانا عبید اللہ رحمانیؒ مؤلف مرعاۃ المفاتیح کا مکتوبِ گرامی شامل اشاعت ہوگا- لیکن انٹرویو پر بعض وضاحتی نوٹ (جن کے بغیر مفہوم سمجھ نہیں آسکتا) کی تکمیل نہ ہونے کے باعث اسے شائع نہیں کیا جاسکا...... آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمایئے، شکریہ!

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ)

☆ نماز کے حوالے سے چند اہم سوالات

☆ مسجد کی دکان کا کرایہ لیا جائے یا نہیں ؟

☆ حجام کی کمائی، حلال ہے یا حرام ؟

☆ خائن اور فریب کار کو امام بنانا جائز نہیں !!

☆ حالتِ حمل میں بیک وقت تین طلاق کا حکم ؟

احکام و مسائل کا زندگی سے گہرا تعلق ہے، بالخصوص ان باعمل مسلمانوں کے لیے ان کی بڑی اہمیت ہے جو حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں تفریق کرتے ہیں اور حلال و جائز امور کو اختیار اور حرام و ناجائز سے اجتناب کرتے ہیں۔
احکام و مسائل کی اسی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہم "محدث" میں سوال و جواب کا سلسلہ کافی عرصہ کے تعطل کے بعد دوبارہ شروع کر رہے ہیں۔ قارئین کرام اپنے سوالات "دار الافتاء" کے نام پر ہمیں ارسال فرما سکتے ہیں۔ ان کے جوابات قرآن و حدیث کی روشنی میں دیے اور شائع کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ!
جواب دینے کی ذمے داری ہماری درخواست پر جماعت کے معروف عالم و مفتی مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ نے جو مجلس التحقیق الاسلامی سے منسلک جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) میں شیخ الحدیث کے منصب پر خدمات انجام دے رہے ہیں، قبول فرمائی ہے۔ اہم، دقیق اور اجتماعی نوعیت کے سوالات کو مجلس ہذا کے زیر اہتمام علماء کی کونسل میں پیش کیا جائے گا...... اسی طرح عرب ممالک کی فتاویٰ کونسل کے اہم منتخب فتاویٰ بھی ترجمہ کر کے شائع کئے جاتے رہیں گے۔
موجودہ شمارے سے اس مبارک سلسلے کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ دیگر اہل علم و فتویٰ بھی اپنے فتاویٰ اور علمی تحقیق و آراء ارسال فرما سکتے ہیں۔ (ادارہ)

☆ کیا فرماتے ہیں علماء کرام قرآن و سنت کی روشنی میں ان مسائل کی بابت :

(۱) اگر نماز عشاء کے ساتھ ہی وتر پڑھ لئے جائیں تو آخر رات نفل پڑھنے کا کیا طریق کار ہے ؟ کیا ایک رکعت پڑھ کر سجدہ کرے یا نوافل ادا کرے ؟

(۲) ایک اذان کا جواب دینے کی صورت میں دوسری طرف سے اذانیں ہو رہی ہوں، کیا ان کا بھی جواب دینا چاہیے یا ایک ہی اذان کا جواب کافی ہے ؟

(۳) کیا ﴿إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾ کے جواب میں "اللهم حاسبني

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسابا یسیرا'' کا ثبوت ہے ؟اور اگر ہے تو صرف امام جواب دے یا مقتدی بھی جواب دیں ؟

(۴) نمازی کے آگے سترہ نہ ہونے کی صورت میں چار پانچ صفیں چھوڑ کر گزرنا جائز ہے ؟ آیا اس کی دلیل میں کوئی حدیث ہے ؟

(۵) کیا سلام پھیرنے والے تشہد میں پاؤں نکال کر بیٹھنا صرف چار رکعت والی نماز میں ضروری ہے یا دو رکعت میں بھی یہی طریقہ ہے ؟اور کیا ہر بڑے تشہد میں پاؤں نکال کر بیٹھنا سنت ہے ؟

(۶) کیا صبح کی نماز قضاء پڑھنے کی صورت میں سنتیں بھی ساتھ پڑھی جائیں گی یا صرف فرض پڑھنا ہوں گے اور اسی طرح مغرب کی نماز قضاء پڑیں گے تو سنتیں بھی ساتھ پڑھیں گے ؟

الجواب بعون الوهاب: (۱) اس بارے میں اکثر اہل علم کا مسلک یہ ہے کہ آدمی جتنے نوافل وغیرہ پڑھنے چاہے پڑھ سکتا ہے نقضِ وتر کی ضرورت نہیں۔ اس موقف کی بنیاد نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے : لا وتران فی لیلة یعنی ایک رات میں دو دفعہ وتر نہ پڑھے جائیں۔ روایت ہذا حسن درجہ کی ہے جس کو امام احمد، ترمذی، ابوداود اور نسائی رحمہم اللہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے...... بعض اہل علم نقض وتر کے قائل ہیں کہ وتر کے ساتھ ایک رکعت ملا کر اسے جفت بنا لیا جائے بعد ازاں جتنی نماز پڑھنا چاہے پڑھ لے آخر میں پھر وتر پڑھ لے لیکن جمہور کی ضرورت نہیں...... پہلا مسلک راجح ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے کئی روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ نے وتر کے بعد نماز پڑھی ہے۔ علامہ مبارکپوری شرح ترمذی میں فرماتے ہیں : ''میرے نزدیک مختار بات یہ ہے کہ پہلے پڑھے ہوئے وتر کو توڑا نہ جائے کیونکہ مجھے مرفوع کوئی صحیح روایت نہیں مل سکی جس میں نقض وتر کا ثبوت ملتا ہو۔ امام ترمذی نے بھی اپنی جامع میں اسی مسلک کو اصح قرار دیا ہے اور صاحبِ مرعاة المفاتیح کے نزدیک بھی یہی مذہب راجح ہے، ملاحظہ ہو : المرعاة : ۲/ ۲۰۴

(۲) اصلاً تو ایک ہی اذان کا جواب دینا ہے لیکن عموم حدیث ''إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول'' کے پیش نظر کوئی متعدد اذانوں کا جواب دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

(۳) محولہ آیت کے جواب میں اللهم حاسبنی پڑھنے کا ثبوت مجھے نہیں مل سکا۔ البتہ بعض روایات میں ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے بعض نمازوں میں اس دعا کو پڑھا ہے لیکن محل کا تعین نہیں کہ سورۂ غاشیہ کے اختتام پر پڑھا ہو۔

(۴) حدیث میں مطلق نمازی کے آگے سے گزرنے سے منع آیا ہے، حدبندی کی تصریح نہیں۔ البتہ ابوداود کی ایک روایت میں ''قذفة بحجر'' کے لفظ ہیں یعنی ''پتھر پھینکنے کے بقدر آگے سے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گزر جانے میں کوئی حرج نہیں" لیکن اس کا مرفوع ہونا مشکوک ہے۔ علامہ البانی نے اس کو ضعیف سنن ابی داؤد (رقم ۱۳۷) میں ذکر کیا ہے۔ البتہ موقوفاً ابن عباسؓ سے بسند صحیح ثابت ہے (مشکوٰۃ المصابیح مع حاشیہ علامہ الالبانی ۱/ ۲۴۵)

(۵) صحیح بخاری کے باب سنة الجلوس فی التشهد کے تحت ابو حمید الساعدی کی روایت میں الفاظ ہیں واذا جلس فی الرکعة الاخرة جس سے امام شافعیؒ کا استدلال ہے کہ صبح کی نماز کے تشہد میں تشہدِ اخیر کی طرح بیٹھنا چاہیے۔

(۶) صبح کی نماز کی قضاء کی صورت میں سنتیں بھی ساتھ پڑھنی چاہئیں۔ نبی ﷺ نے حضر و سفر میں ان کو ترک نہیں کیا (احکام رکعتی الفجر)...... مغرب کی سنتیں پڑھنے کا بھی جواز ہے (ترمذی ص ۲۷)

☆ سوال: مسجد کی دکان کا کرایہ...... مخصوص صورتحال میں لیا جائے یا نہیں؟

ایک جامع مسجد کے کرائے دار کا انتظامیہ سے دوکان خالی کرانے کا تحریری معاہدہ ہوا جس کے مطابق کرائے دار نے ۳۱ جولائی ۱۹۹۸ء کو دوکان خالی کرنے کا وعدہ کیا تھا...... لیکن ان دنوں اس نے انتظامیہ سے رابطہ کر کے اپنی طرف سے یہ تجویز پیش کی ہے کہ اگر اسے مسجد کی مجلس منتظمہ مزید دس سال کے لیے دکان میں بطور کرائے دار رہنے دے تو وہ!

i) مسجد کو ایک لاکھ روپیہ بطور عطیہ دے گا۔

ii) موجودہ کرایہ وہ مزید تین سال تک ادا کرے گا اور اس کے بعد قانون کے مطابق ہر تین برس کے بعد کرائے میں ۲۵٪ اضافہ کرتا رہے گا۔

iii) یہ معاہدہ دس سال کے بعد ختم ہو جائے گا اور وہ دکان کا قبضہ جامع مسجد کی مجلس شوریٰ کے حوالے کر دے گا۔

iv) نئے کرائے نامے میں مذکورہ بالا ایک لاکھ روپے کی رقم کا کوئی تذکرہ نہیں ہوگا۔ اس رقم کی وصولی پر مسجد کی طرف سے "عطیہ" کی رسید جاری کی جائے گی جس کا کرائے وغیرہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ ان حالات میں ایک لاکھ روپیہ مسجد کے لیے وصول کرنا جائز ہے؟ کیا اس سے کرائے دار کی مجبوری سے ناروا طور پر مالی فائدہ حاصل کرنے کا پہلو تو نہیں نکلتا؟ کیا ان حالات میں دی جانے والی رقم سے ثواب کا پہلو تو مجروح نہیں ہوتا؟

الجواب بعون الوهاب: موجودہ صورت میں معاملہ طے کرنا درست نہیں کیونکہ کرائے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دار نے مسجد کے لیے جو بطورِ عطیہ ایک لاکھ روپے کی پیشکش کی ہے، دراصل وہ رشوت کے طور پر مطلب برآری کا ایک وسیلہ ہے اور مسجد کی منتظمہ کے ہاں جو رغبت پیدا ہوئی، اس کی بنیاد بھی طمع حرص اور لالچ ہے گویا کرایہ داری کو باقی رکھنے کے لیے ایک باطل حیلہ ہے جو کسی صورت جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ دوسری طرف اس کے شرط ہونے کی بظاہر اگرچہ نفی کی جارہی ہے لیکن فی الواقع شرط موجود ہے۔ جانبین کی چاہت اس امر کی واضح دلیل ہے اور قرائن واحوال سے بھی ظاہر ہے۔ بالفرض کرایہ دار مذکورہ رقم مسجد کو ادا نہ کرسکے تو پھر انتظامیہ کبھی اسے برداشت نہیں کرے گی بلکہ دکان چھوڑنے پر مجبور کردے گی ...... اس سے معلوم ہوا کہ عطیہ کی رسید کاٹ دینا محض خود فریبی ہے جس کا حقائق وواقعات سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا یہ معاملہ کرنے سے اجتناب ضروری ہے۔

☆ سوال: میرا کام ہیر ڈریسر کا ہے میں نے پڑھا ہے کہ شیو وغیرہ کی کمائی حرام ہے بلکہ اسے جوا یا قمار خانہ کی کمائی سے مشابہت دی گئی ہے میں تو عورتوں کے بال بھی کاٹتا ہوں۔ مردوں کے بھی آئے دن نئے فیشن کے بال بناتا ہوں۔ لیکن جس دن سے یہ پڑھا ہے، اس دن سے پریشان ہوں کہ یہ کام اگر غلط کر رہا ہوں تو چھوڑ دوں۔ کیونکہ مسلمان ہونے کے ناطے آخرت کی فکر ہے، برائے مہربانی مجھے صحیح مشورہ دے کر ممنون فرمائیں۔ (سائل: نصیر احمد)

الجواب بعون الوھاب: حجام کی کمائی کی حلت وحرمت کا تعلق اس کے اپنے فعل سے ہے۔ اگر فعل حرام کی اجرت لیتا ہے تو کمائی حرام ہے مثلاً داڑھی مونڈتا ہے یا غیر عورتوں کے بال کاٹتا ہے یا غیر شرعی حجامت کرتا ہے تو کمائی حرام اور اگر شریعت کے مطابق حجامت بناتا ہے تو یہ مباح عمل ہے اور عہد نبوت میں بھی موجود تھا۔

☆ سوال: ایک شخص نے اپنے بھائی کا مکان ۱۹۴۷ء سے اپنے قبضہ میں ظاہر کر کے ۱۹۷۳ء میں اپنے نام انتقال کروالیا۔ جبکہ مالک مکان کا، جس کی دو بیٹیاں ہیں، انتقال ۱۹۵۸ء میں ہوا ہے۔ اس طرح مرحوم کی بیٹیوں کو ان کے حق سے محروم کردیا۔ قبضہ کرنے کے بعد اسی جگہ پر لوگوں سے چندہ برائے مسجد وصول کر کے مسجد کی تعمیر شروع کروادی۔ جب مسجد محرابوں اور چھتوں تک پہنچی تو مسجد کی محرابوں کو گرادیا اور اس جگہ دکانیں بناڈالیں اور نصف حصہ اپنی بیوی کے نام انتقال کروادیا اور ان دکانوں پر ایک مسجد بھی تعمیر کرواڈالی۔ اور لوگوں کے پاس چندہ وغیرہ کا حساب بھی نہیں ہے ...... شخص مذکورہ بالا کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ (سائل محمد عبداللہ، بہاولنگر)

الجواب بعون الوھاب: مذکورہ اوصاف کا حامل انسان خائن اور فریب کار ہے۔ ایسا شخص قطعاً امامت کا اہل نہیں، حدیث میں ہے "اجعلوا أئمتكم خياركم" "یعنی اچھے باکردار لوگوں کو اپنا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام مقرر کرو۔ لہٰذا اس کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔

☆سوال : میرے عزیز نے بیوی سے جھگڑنے پر اسے غصے میں بہ یک وقت تین دفعہ طلاق دے دی، جب کہ اس کی بیوی حاملہ بھی ہے۔ کیا یہ طلاق ہو گئی ؟

الجواب بعون الوهاب: صورتِ مرقومہ میں طلاق رجعی واقع ہوئی ہے۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے : كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة......الحدیث

"عہدِ نبوی ﷺ اور عہد ابوبکرؓ اور دو سال خلافتِ عمرؓ میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں"

اور مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ رکانہ بن عبد یزید اخو بني مطلب نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، فعل پر وہ شدید نادم ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ تم نے کس طرح طلاق دی ؟ اس نے عرض کیا۔ میں نے اس کو تین طلاقیں دیں، آپ نے فرمایا : ایک مجلس میں ؟ اس نے کہا : ہاں، ایک مجلس میں۔ آپ نے فرمایا: "سوائے اس کے نہیں کہ یہ ایک ہے اگر تو چاہے تو اس سے رجوع کر لے"۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں : چنانچہ اس نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔

امام ابن القیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں :وقد صحح الامام هذا الأسناد وحسنه (امام احمد نے اسے صحیح قرار دیا اور حسن کہا ہے)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

"وهذا الحديث نص في المسئلة لا يقبل التأويل الذي في غيره من الروايات "

"یہ حدیث اس مسئلے میں واضح دلیل ہے، جس میں تاویل کی گنجائش نہیں، جیسا کہ بعض اور روایات کے الفاظ میں تاویل کی گنجائش ہے"

یاد رہے حالتِ حمل میں دی ہوئی طلاق سُنّی ہوتی ہے چنانچہ منتقی الاخبار میں ابن عمر کی روایت میں ہے "ثم ليطلقها طاهرا أو حاملا" "پھر اسے حالتِ طہر میں طلاق دے یا حالتِ حمل میں" (رواہ الجماعۃ الا البخاری) اس سے معلوم ہوا کہ طہر یا حمل میں دی ہوئی طلاق سنی ہے، بدعی نہیں۔

لہٰذا وضعِ حمل سے قبل شوہر رجوع کر سکتا ہے اور عدت گزرنے کی صورت میں عقدِ جدید بھی ہو سکتا ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امتِ مسلمہ میں فکری اعتدال کا عَلَم بردار علمی وتحقیقی مجلہ

محدث

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی

مدیر: حافظ صلاح الدین یوسف

باقاعدہ ماہوار اشاعت

ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو ملاحظہ فرمائیے

جماعت اہلحدیث کی علمی روایات اور فکری تحریک کا امین جو 30 سال سے علم وثقافت کے مرکز لاہور سے شائع ہو رہا ہے

ماہنامہ **محدث** لاہور میں آپ کیا پڑھ سکتے ہیں؟ ...... موضوعات اور مستقل سلسلے

- جدید قانونی، معاشرتی، سیاسی اور علمی موضوعات پر اسلامی نقطہ نظر کی تشریح اور بے لاگ تجزیے
- علوم ومعارفِ قرآن...... علوم سبعہ عشرہ قراءات اور تفسیری مناہج کی توضیح
- جہاد فی سبیل اللہ، اسلامی سیاست اور دعوت کے نبوی منہاج وغیرہ پر معتدل روش کا علمبردار
- عظمت / حجیت حدیث پر مضامین ...... فتنہ انکارِ حدیث کی بیخ کنی اور شبہات کا علمی جائزہ
- مسلکی تعصبات اور فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر امت کے مسائل کا شرعی حل
- قرآن وسنت کی بنیاد پر تمام مسالک فکر میں اتحاد ویگانگت اور فکری یکجہتی کا پرچارک
- قدیم وجدید علوم اور ارتقائے انسانی سے استفادہ کے بعد شرعی مسائل میں اجتہاد کا علمبردار
- پیش آمدہ مسائل میں جماعت کے نامور علماء پر مشتمل فتویٰ کونسل کے جوابات اور رہنمائی
- اسلامی اور مغربی تہذیب کا تقابل اور دورِ جدید کے تناظر میں اسلام کی حقانیت کا ترجمان
- مسلک اہلحدیث کی درست ترجمانی اور تحریک وعلمائے اہلحدیث کی خدمات پر مستقل سلسلے
- مسلم دنیا بالخصوص عالم عرب کی علمی تحریکوں کا تعارف نیز مفید کتب اور مضامین کے تراجم
- نامور علماء اور جامعہ لاہور الاسلامیہ (ماڈل ٹاؤن، لاہور) کے اساتذہ کی علمی کاوشوں کا نقیب
- سفید آفسٹ پیپر پر خوبصورت ٹائٹل، دیدہ زیب طباعت، کمپیوٹر کمپوزنگ کیساتھ ظاہری ومعنوی خوبیوں سے آراستہ

آیئے ماہنامہ محدث کے مستقل قاری بن کر اپنے علاقہ میں جماعت اہلحدیث ایسی علمی اور سلفی تحریک کو فروغ دیجئے۔ خود بھی اسکے مستقل خریدار بنیں اور دوسروں تک زیادہ سے زیادہ اس آواز کو پہنچائیں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعارفِ کتب

حافظ حسن مدنی

مولانا عبد الرحمٰن کیلانیؒ اور تفسیر قرآن

مولانا کیلانی کی شخصیت سے محدث کے قارئین بخوبی تعارف رکھتے ہیں۔ گذشتہ شمارہ جات میں آپ کی شخصیت اور خدمات پر کافی مضمون شائع ہوتے رہے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں مولانا کے تفسیر قرآن پر کیے گئے کام کا جائزہ پیش کرنا مقصود ہے۔ تفسیر قرآن کے حوالے سے وسیع علمی کام مولانا کیلانیؒ اپنی وفات سے قبل مکمل کر چکے تھے، جس کے کافی حصہ کی کتابت بھی ہو چکی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد فوری طور پر اس کی طباعت اور تکمیل ممکن نہ ہو سکی۔ جہاں جہاں یہ تفسیر زیر تکمیل تھی وہاں سے اسے حاصل کیا گیا اور یکجا کرنے کے بعد آپ کی اولاد نے اس کی طباعت کے سلسلے میں مشورہ کیا تو طے پایا کہ کتابت اور دیگر قدیم وسائل طباعت کی بجائے ظاہری و معنوی طور پر اس تفسیر کو مزید معیاری بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس کیلئے تفسیر قرآن پر کسی معروف مفسر سے نظر ثانی کا فیصلہ کیا گیا اور بعض کتابت شدہ حصے اور مسودہ کو جدید اور خوبصورت کمپوزنگ کے رنگ میں ڈھالنے کا فیصلہ بھی طے پایا۔

چنانچہ پاکستان کے نامور اور بزرگ عالم دین، مفسر قرآن جناب مولانا عبدہٗ الفلاح کو بھی یہ تفسیر دکھائی اور پڑھ کر سنائی گئی تاکہ وہ اس میں ضروری اضافہ یا تصحیح فرما سکیں۔ مولانا نے اپنی ضعیف العمری کے باوجود اس تفسیر کو سنا اور اس کی تائید فرمائی۔ بہر حال مولانا کیلانی کی وفات کے ساتھ اس تفسیر کی اشاعت میں جو تعطل پیش آیا، وہ جہاں اس میں تاخیر کا باعث بنا، وہاں کچھ ایسے خدشات بھی پیدا ہوئے کہ مفسر کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے کوئی حصہ غلط طور پر شامل نہ ہو جائے یا رہ نہ جائے......

۹۷ء کے آخری ایام کی بات ہے کہ اس تفسیر کی کمپیوٹر کمپوزنگ کا کام شروع کیا گیا اور رمضان ۱۴۱۹ھ تک مارکیٹ میں لانے کا پروگرام بنا۔ اس ضمن میں مولانا کے بیٹے نجیب الرحمٰن کیلانی نے اس کام کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے مولانا کے بڑے داماد مولانا عبد الوکیل علویؔ کو اس کی علمی تحقیق کے لئے اپنے ساتھ شامل کیا جبکہ کمپوزنگ کی ذمہ داری راقم نے اپنے خصوصی تعلق کے ناطے قبول کی۔ پروف ریڈنگ کے لیے نجیب الرحمٰن کیلانی ہی ذمہ دار تھے۔ اب جبکہ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ سر پر ہے الحمد للہ تفسیر کے پہلے حصے کی طباعت مکمل ہونے کو ہے اور امید کی جا سکتی ہے کہ رمضان المبارک میں یہ تفسیر شائقین کے ہاتھوں میں ہو گی۔ مفسر مرحوم کی اچانک وفات کی بنا پر بہت سے تشنہ تکمیل اور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحقیق طلب اُمور رکاوٹ بنتے رہے لیکن نجیب الرحمٰن کیلانی، مولانا علوی اور راقم الحروف کی باہمی مشاورت سے ان کو جیسے تیسے حل کیا جاتا رہا...... اللہ سے استدعا ہے کہ وہ اس تفسیر کو کامل اور درست ترین صورت میں پیش کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

تفسیر تیسیر القرآن کا عرصہ تصنیف

تفسیر کے تعارف سے قبل مولانا کے تفسیری کام کی بابت بعض وضاحتیں ضروری معلوم ہوتی ہیں جن میں سے بعض سے راقم کو خصوصی نسبت بھی ہے...... ۸۷/۷/۷ ۱۹ء سے جب مصنف نے خلافت و جمہوریت پر صدارتی ایوارڈ یافتہ کتاب پیش کی، ۱۹۹۰ تک کا عرصہ وہ ہے جس میں آپ کی متعدد تحقیقات اور تصنیفات منظر عام پر آئیں۔ اس قدر تیزی سے پیش کئے جانے والے تحقیقی کام نے جس میں تحقیق کی گہرائی اور تخلیق کی گیرائی بھی ہے، اہل قلم اور اہل علم ہر دو کو کافی متاثر کیا۔

۱۹۷۸ء سے پہلے کا عرصہ عموماً وہ ہے جس میں مولانا کیلانی مرحوم عموماً کتابتِ قرآن کے مبارک پیشہ سے وابستہ رہے۔ کنگ فہد کمپلیکس سے طبع اور تقسیم ہونے والے قرآن کریم کی کتابت بھی آپ کے اسی دور کی ہی یاد ہے جس کی بابت اس امر کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اسی قرآن کریم کو زیر نظر تفسیر میں عربی متن کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے مفسر کو یہ خصوصی امتیاز بھی حاصل ہے کہ تیسیر القرآن کے نام سے پیش کی جانے والی اس تفسیر میں متن قرآن کی کتابت آپ نے کی ہے، ترجمہ بھی آپ کا ہے اور تفسیر بھی۔ یہ وہی قرآن کریم ہے جس کو جناب کیلانیؒ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کے دوران بیت اللہ اور مسجد نبویؐ میں بیٹھ کر لکھا تھا۔ راقم کو یاد ہے کہ ۱۹۷۸ کے لگ بھگ جب میں نے حفظِ قرآن کی ابتدا کی تو مولانا مرحوم نے بطورِ خاص اس نسخہ کو اس تعریف کے ساتھ ہدیہ کیا کہ یہ میرا کتابت کیا ہوا خوبصورت ترین نسخہ ہے۔ اور پھر میں نے اس کتابت پر ہی حفظ قرآن کیا۔ بہر حال یہ تذکرہ خصوصی تعلق کے طور پر میرا یادگاری سرمایہ ہے۔

مولانا نے تفسیر قرآن پر دراصل ۳ مجموعے تیار کیے ہیں اور ان کی تیاری میں جہاں ۳۰ سے ۳۵ سال کا طویل عرصہ شامل ہے، وہاں اس کی باقاعدہ تکمیل اور ایک منظم تفسیر کی تشکیل بندی کا دورانیہ ۱۹۹۰ سے مولانا کی وفات (دسمبر ۹۵ء) تک محیط ہے۔ یہ وہ عرصہ ہے جس میں آپ نے تمام دیگر علمی مصروفیات چھوڑ کر اکثر وقت صرف تفسیر قرآن پر ہی صرف کیا۔ اس عرصہ میں آپ کے بعض مقالات چند علمی جرائد مثلاً محدث، منہاج اور فکر و نظر وغیرہ میں شائع ہوتے رہے لیکن چند ایک کے علاوہ اکثر ۱۹۹۰ء سے قبل لکھے گئے ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفسیری کاموں کا تعارف

(۱) تیسیر القرآن مختصر، ناشر مکتبۃ السلام، ریاض :

مولانا کے تین تفسیری مجموعے ہیں۔ سب سے پہلا مجموعہ تو دراصل ان کی تالیف نہیں بلکہ علامہ وحید الزمان کی تفسیر وحیدی کا انتخاب ہے جس میں کافی حک واضافہ کیا گیا ہے۔ یہ وہی تفسیر ہے (جسے حاشیہ کہنا مناسب ہوگا) جو مولانا کیلانی سے ان کے چھوٹے بیٹے حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی نے اپنے اشاعتی ادارے کے لئے تیار کرائی تھی (جبکہ اس سے قبل وہ تفسیر وحیدی کو بھی مکتبۃ السلام کی طرف سے شائع کرچکے تھے) ...... یہ تفسیر ابھی طباعتی مراحل میں تھی کہ مولانا کیلانی کی وفات ہوگئی۔

مولانا کی وفات کے بعد حافظ عتیق الرحمٰن نے تفسیر وحیدی کے اس انتخاب کی اردو پرانی ہوجانے اور زبان میں بعض تبدیلیاں آجانے کی وجہ سے کچھ بہتری پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اسی طرح بعض مقامات پر ترتیب واضافہ کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ تصرف وتغیر اس حد تک بڑھا کہ بالآخر تفسیر وحیدی کا صرف نام ہی باقی رہ گیا اور موصوف نے دیگر متعدد تفاسیر سے استفادہ کرتے ہوئے اور کافی نکات وتوجیہات کا اضافہ کرتے ہوئے ایک مستقل نئی تفسیر ترتیب دے ڈالی۔

چنانچہ اولاً تو اس حاشیہ کی بنیاد مولانا کیلانی کی تحقیق اور ذاتی تحریر نہ تھی بلکہ انتخاب کی حد تک مولانا کیلانی نے اس میں حصہ لیا تھا۔ بعد ازاں حافظ عتیق الرحمٰن کے اس پر آزادانہ تصرف اور دیگر تفاسیر سے اخذ واستفادہ کی بنا پر وہ انتخاب بھی اپنی اصل صورت میں باقی نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ سال ریاض سے طبع ہونے والے اس حاشیہ پر مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ یا مولانا وحید الزمانؒ کی بجائے حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی کا نام ہے۔

اس تفسیر کی بات چلی ہے تو یہ بتانا بھی مناسب ہوگا کہ اس میں ترجمہ روایتی طور پر کسی پرانے عالم کا نہیں بلکہ مولانا کیلانی کا ہی ہے جو بذاتِ خود ایک عظیم علمی کاوش ہے کیونکہ ترجمہ قرآن کے لئے علماء شدید احتیاط کا اہتمام کرتے ہیں اور گذشتہ صدی سے جماعت اہلحدیث کے کسی نامور عالم کا مکمل ترجمہ قرآن متعارف نہیں کرایا گیا۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ مولانا کے بیٹے نے اپنی مہم جو طبیعت اور جدت پسند مزاج کی بدولت اس ترجمہ میں بھی بعض تبدیلیاں کی ہیں، جس کے بعد اس کی سو فیصد نسبت بھی مولانا کیلانی کی طرف نہیں کی جاسکتی۔ آیا یہ تبدیلیاں مناسب ہیں اور انہوں نے ترجمہ کے حسن وخوبی اور حقیقت وتاثیر کو نمایاں کیا ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ علماء ہی بخوبی کرسکتے ہیں...... ان وجوہات کی بنا پر گذشتہ سال ریاض سے طبع ہونے والی اس تفسیر تیسیر القرآن کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ سے اس کی نسبت اعزازی اور مرحوم سے قریبی تعلق کی مظہر تو ہے،

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن امر واقعہ اس کی تائید نہیں کرتا۔

(۲) مولانا کی دوسری تفسیری کاوش قدرے ضخیم ہے۔ جسکی ضخامت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی مختصر تفسیر ثنائی (دو جلد) یا تفسیر ماجدی سے کچھ زیادہ ہے۔ یہ تفسیر ۱۹۹۴ء کے اواخر میں مکمل کر دی گئی تھی۔ میرے علم کی حد تک بعد میں اس پر کام نہیں ہوا ہے۔ یہ تفسیر ابھی تک صرف مسودے کی شکل میں موجود ہے جس کو مفسر مرحوم نے بھی کتابت وغیرہ کے لیے نہیں دیا تھا۔ راقم نے ۳ برس قبل اس تفسیر کو کمپیوٹر میں ٹائپ تو کروالیا تھا لیکن اس پر مزید کام آج تک نہیں کیا جاسکا۔ مفسر مرحوم نے اپنی تفصیلی تفسیر کی کافی کتابت تو خود کروائی تھی، لیکن نامعلوم اس پر کوئی طباعتی یا تحقیقی کام کیوں نہ کروایا...... جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ مختصر تفسیر دراصل تفصیلی تفسیر کا اختصار ہے تو میرے خیال میں یہ درست نہیں کیونکہ اس مختصر تفسیر پر کام کر کے ۱۹۹۴ کے اواخر میں اس کو جلد بندی کے بعد محفوظ کر کے رکھ دیا گیا تھا جب کہ تفصیلی تفسیر میں بعض ایسے صفحات بھی دیکھنے کو ملتے ہیں جو مرحوم کی وفات سے صرف چند ماہ قبل تحریر کیے گئے ہیں۔ تفصیلی تفسیر جس کی ممکنہ ضخامت ۵ جلدیں ہیں، میں اکثر مقامات پر مزید نکات اور بحوث کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مختصر تفسیر ایک ہی مفسر کی کاوش ہونے کے ناطے تفصیلی تفسیر سے بعض مماثلتیں تو رکھتی ہوگی لیکن واقعتاً اس میں دیگر اندازِ تفسیر یا مقصدِ تالیف مفسر کے پیش نظر ہے۔ ممکن ہے کہ اس تفسیر کی بابت جلد کوئی اگلا مرحلہ پیش آئے۔

(۳) تفسیر تیسیر القرآن مفصل، ناشر مکتبہ السلام، لاہور

یہ آپ کی تیسری تفسیر ہے جو اس مضمون میں ہمارے پیش نظر ہے۔ جناب مفسر نے جس طرح اس کو پیش کیا ہے اس سے عیاں ہوتا ہے کہ آپ کے پیش نظر منہج سلف کے مطابق تفسیر بالماثور و تفسیر بالرائے کے حسین امتزاج سے ایک ایسی تفسیر پیش کرنا ہے جس میں جدید پیش آمدہ مسائل پر علم وسائنس کے ارتقاء سے فائدہ اٹھاتے قرآنی موقف سلیس انداز میں پیش کیا جائے جس میں بعض جدید متنازع مسائل میں اجتہادی بصیرت کے ساتھ قرآن سے راہنمائی بھی لی جائے۔ راقم کی ناقص رائے میں یہ تفسیر اس خلا کو پر کرنے کے لیے لکھی گئی ہے جو ہمیں تفاسیر کے سابقہ مجموعوں میں بایں طور ملتا ہے کہ

☆ دورِ جدید میں منہج سلف کے مطابق جامع ومانع اور عقلی و نقلی دلائل سے مزین کوئی اُردو تفسیر دستیاب نہیں۔

☆ بعض اعلیٰ اردو تفاسیر میں مفسرین کے مخصوص فکری رجحانات کی بنا پر قرآن کریم کا ایک سادہ، واضح اور دوٹوک موقف دھندلا رہا ہے۔

☆ جدید سائنسی دور کے اعتراضات اور سوالات پر راسخ العقیدہ اور وحی الٰہی کی روشنی سے منور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآنی تجزیہ کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔

مفسر کے مخصوص فکری رجحانات ومیلانات اور تفسیر ہذا کا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے ان مقاصد کے پیش نظر اس تفسیر میں درج ذیل خصوصیات کا اہتمام کیا ہے :

مصنف کی یہ تفسیر، تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے المقبول کا حسین امتزاج ہے

(۱) تفسیر بالماثور کے طور پر لکھی جانے والی تفاسیر میں عموماً یہ مشکلات پیش آتی ہیں کہ ایک موضوع سے متعلقہ منتشر اقوال اور افکار کو جمع کر دیا جاتا ہے۔ اسرائیلیات کی بھرمار ہوتی ہے اور بیسیوں اقوال قاری کو جداگانہ مفہوم دے رہے ہوتے ہیں جس سے ایک مفہوم کا تعین کرنا اور قرآن کے مدعا کا واضح ہونا بسااوقات مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح احادیث جو کہ تفسیر قرآن کی بنیاد ہیں، میں بعض اوقات صحیح وضعیف روایات میں امتیاز قائم نہیں رکھا جاتا۔ اس بنا پر تفسیر بالماثور جو تفسیر کی اہم ترین بنیاد ہے، سے استفادہ بھی مشکل ہوتا جارہا ہے۔ ان کثیر آراء وافکار میں سے صائب آرا کے چناؤ اور احادیث وآثار میں سے صحیح احادیث کا اہتمام کرنے کے لیے ذکاوت وفراست اور علمی پختگی کی ضرورت ہے، اس کے ساتھ ایجاز واختصار اور جامعیت کے لیے خصوصی تجربہ درکار ہے، مولانا مرحوم نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا بطورِ خاص اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ اس تفسیر میں منتشر افکار میں سے چند قریب الصواب آراء کو ذکر کرکے ان کا علمی تجزیہ بھی پیش کر دیا گیا ہے جس سے قاری کسی واضح نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے اور کلامِ الٰہی میں دیگر امکانات کی طرف اشارے بھی اس کو مل جاتے ہیں......

زیر نظر تفسیر کی بنیاد اس فکر پر قائم ہے کہ مؤلف مرحوم تفسیر بالحدیث کا ایک منتخب نمونہ پیش کرنا چاہتے تھے جس کے لیے ۳۰ برس قبل اپنی بڑی بیٹی کو انہوں نے ایسی صحیح احادیث کے انتخاب کا کام سونپ رکھا تھا جس کی بنا پر تفسیر کا مبارک کام سرانجام دیا جاسکے۔ اس بنا پر اس تفسیر میں وسیع ذخیرۂ حدیث کو شامل کیا گیا ہے۔ دورِ حاضر میں صحیح وضعیف احادیث کی بابت اُمت میں خصوصی ذوق پھیل جانے اور خود مصنف کے اس کا خاص اہتمام کرنے کی بدولت اس تفسیر میں احادیث کی صحت کا بھی بقدرِ امکان التزام کیا گیا ہے۔

(۲) تفسیر قرآن کا دوسرا بڑا حصہ تفسیر بالرائے پر مشتمل ہے۔ جس میں احادیث وآثار کے عظیم ذخیرہ کی بجائے زیادہ اعتماد مفسر اپنی عقل ودانش پر کرتا ہے۔ اس طرح تفسیر قرآن کے نام پر فلسفے اور افکارِ منحرفہ کا بہت بڑا مجموعہ سابقہ تفاسیر میں ملتا ہے۔ فرضی سوالات وامکانات اور ان کی عقلی توجیہات قاری کے قرآن کے چشمہ صافی سے سیدھے سادے استفادے کی خواہش کو پریشان کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اس بنا پر سلف نے عموماً اس طریق تفسیر کو ناپسند کیا بلکہ ناجائز تک قرار دیا ہے...... اس طرزِ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفسیر پر بے شمار مفسرین نے اپنے ذاتی افکار اور کسی خصوصی مناسبت سے نشوونما پا جانے والے اپنے خیالات کو قرآن کے نام سے اُگلنے کی جسارت بھی کی ہے۔ اس بنا پر آج بہت سی تفاسیر اگر فن تفسیر کے نام پر دھبہ ہیں تو دوسری طرف کافی تفاسیر میں مرادِ الٰہی کی جستجو کی بجائے من مانی تاویلات دیکھنے میں آتی ہیں۔ عقل ورائے اور فکر و فلسفہ کی بنا پر لکھی جانے والی تفاسیر کا یہی المیہ ہے کہ انہیں وہ فکری بنیاد کسوٹی میسر نہیں جس سے تفسیر میں افراط و تفریط سے بچ سکیں اور دو ٹوک و متفقہ موقف پیش کر سکیں...... بعض دیگر تفاسیر وہ بھی ہیں جن میں جامعیت و علمیت کے نام پر ان بے شمار علوم کو سمو دیا گیا ہے جو قرآن کی تفسیر کے لیے جزوی فائدہ تو رکھتے ہیں لیکن کل کا مقام انہیں قطعاً حاصل نہیں۔ ایسی تفاسیر کے بارے میں ہی علماء نے کہا ہے کہ "ان میں تفسیر قرآن کے ماسوا سب کچھ ہے"......

یہ سب تفاسیر جہاں امت کے قرآن سے خصوصی تعلق و اہتمام کی آئینہ دار ہیں وہاں مختلف زاویوں سے مفہوم قرآن کا احاطہ بھی کرتی ہیں جن کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں لیکن بہر حال اردو زبان میں ایک ایسی تفسیر کی اشد ضرورت محسوس کی جاتی ہے جس میں قرآن و سنت اور صحابہ و تابعین اور ائمہ سلف کی آراء کے مطالعے کے نتیجے میں نشوونما پانے والی عقلی و فکری توجیہات بھی پیش کی جاتیں جو اختصار کے ساتھ ساتھ جدید عقلی ارتقاء کے نتیجے میں نشو پذیر ہونے والی انسانی عقل کو بھی اسی کے ڈھنگ میں مطمئن کر سکتیں۔ اس بنا پر زیر نظر تفسیر میں جہاں وحی الٰہی پر مبنی تمثیلیں جزوی تفصیلات کے ساتھ پیش کر دی گئی ہیں وہاں دورِ حاضر میں ان کا اطلاق بھی نمایاں کر دیا گیا ہے۔ اس طرح اختصار کے ساتھ سابقہ تفاسیر میں موجود فاسد افکار پر تنقید بھی موجود ہے۔ علومِ قرآنی سے استفادہ کیا گیا ہے اور جدید نظریہ ہائے تفسیر قرآن کے درست اجزاء کو شامل بھی کیا گیا ہے۔

(۳) قرآن کا تیسرا حصہ آیاتِ احکام پر مشتمل ہے۔ قرآن کریم بہت سے احکام اور ان کے اصول و دائرہ کار کو قائم کرتا اور بنیادی ہدایات فراہم کرتا ہے۔ دورِ جدید میں معاشرتی ارتقاء کے بعد پیدا ہونے والے نئے سوالات کے حل میں ان احکام کا انطباق اور ان کی درست توجیہ اور حد بندیاں قائم کرنا ایک مہارت طلب کام ہے جس کیلئے علمی دِقت کیساتھ ساتھ مجتہدانہ بصیرت کی بھی ضرورت ہے......

مفسر مرحوم کم وبیش ۱۵ سال کا طویل عرصہ دار الافتاء سے منسلک رہنے اور دقیق علمی مسائل پر اپنی جاندار تحقیقات پیش کرنے اور علم و تدریس سے خصوصی لگاؤ و شغف رکھنے کے باعث نمایاں امتیاز رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے احکام و مسائل کے ضمن میں اس تفسیر میں صرف اُصولی مباحث کی وضاحت پر اکتفا کی بجائے کافی وسعت سے ان مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اکثر مقامات پر اپنی تالیف کردہ کتب اور مقالات کا خلاصہ پیش کر کے جزوی تفصیلات کے لیے کتاب کی طرف راہنمائی کر جاتے ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بنا پر قرآن میں ذکر ہونے والی آیات سے اصولی استشہاد کرتے ہوئے دورِ جدید کے تناظر میں ان کی جزئیات اور دائرہ کار کو پیش کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

(۴) مولانا علم و تحقیق کے میدان کے شاہ سوار تھے، تحقیق سے خصوصی شغف رکھتے تھے، علماء کے خوشہ چین اور ان کے احترامِ فراواں کے باوجود دینی ادب کے بایں طور ناقد بھی تھے کہ اس میں عموماً علماء کے لیے ہی راہنمائی پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں لب ولہجہ اور ایسا زبان وبیان استعمال کیا گیا ہے جس سے عوام بآسانی فائدہ نہیں اٹھا سکتے، دلائل واصول کی تعبیر میں بھی عالمانہ رنگ غالب ہوتا اور اصطلاحات کی کثرت ہوتی ہے۔ تفصیلات میں تقدس وپاکیزگی اور نظری مباحث کا اہتمام کرتے ہوئے عملی توجیہات سے اکثر صرفِ نظر کر دیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں دورِ زوال کے علماء میں بالخصوص دیگر معاصر افکار کے بارے میں جانبداری اور تحفظات کے عنصر کے علاوہ ان کی جائز افادیت کو بھی قبول نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح تنقیدی لب ولہجہ میں متانت واعتدال ہاتھ سے چھوٹ جاتے ہیں۔

اس بنا پر علمی و تحقیقی مباحث کا مطالعہ کرنا عام قاریٔ قرآن کے لیے مشکل ثابت ہوتا ہے جو اپنی دِقت کے باعث پہلے ہی کافی ثقیل ہوتی ہیں اور وہ صرف سطحی معلومات تک ہی مستفید ہو پاتے ہیں۔ ان امور پر ناقدانہ رائے رکھتے ہوئے مولانا کا تفسیری اسلوب نہایت سلیس، سادہ اور آسان ہے۔ دقیق مسائل میں نکات وار بحث کرنے اور واضح موقف اپنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تنقید و تجزیہ میں فکری اعتدال اور مدِ مقابل سے جائز استفادہ کی گنجائش جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔ ہر بحث پر مرکزی خیال و عنوان بندی کی گئی ہے۔ آخر میں تمام مباحث کا جامع انڈکس بھی دے دیا گیا ہے...... اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تفسیر مخاطب کو مدنظر رکھ کر اس طرح لکھی گئی ہے کہ علماء کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم یافتہ اور دین سے شغف رکھنے والے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

(۵) تفسیر قرآن کے باب میں اور احکام و مسائل کے استنباط میں مختلف رُجحانات و مناہج پائے جاتے ہیں۔ ائمہ سلف جن کی اکثریت قرونِ اولیٰ سے تعلق رکھتی ہے، تفسیر قرآن کے ضمن میں ایک مخصوص منہج وطریق استدلال رکھتے ہیں جو بالاختصار یوں ہے کہ تفسیر قرآن میں قرآن کے ساتھ حدیث سب سے اہم ذریعہ تفسیر ہے کیونکہ قرآن کریم کو جس حیاتِ طیبہؐ کے سانچے میں نازل کیا گیا، اس کی تشریحات، زندگی کے اُتار چڑھاؤ اور تبصرے نیز انہی حالات وواقعات کی روشنی میں ہی قرآن کی درست تفسیر دیکھی جاسکتی ہے۔ تفسیر قرآن کیلئے حدیثِ نبوی ﷺ کے اصل الاصول ہونے کے بعد اس میں صحابہ کرام کے اقوال و آراء کو نبی اکرم ﷺ سے استفادے کے غالب امکان کی بنا پر نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ اسی طرح لغت، تاریخ، اسرائیلیات اور دیگر قرآنی علوم کی باری آتی ہے۔ قرآن اور حدیث و آثار کے سرچشموں سے ہی دورِ جدید میں مسائل کی نئی صورت گری ممکن ہے اور ان کی اسلامی توجیہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش کی جا سکتی ہے۔ ائمہ سلف کی توجیہات اور آراء اُمت کا عظیم سرمایہ ہیں جن سب سے بیک وقت استفادہ بہت سے مسائل کی گتھیاں سلجھانے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

اسی طرح امر واقعہ یہ ہے کہ کسی رائے کو از خود متعین کرنے کے بعد قرآن سے اس کی دلیل گھڑ لینا اُمت کی گمراہی کا عظیم سبب اور قرآن سے حقیقی انحراف ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مصادر ومنابعِ شریعت کے وسیع مطالعہ کے بعد قرآن کے طرزِ استدلال کو سمجھنے اور اس پر مخلصانہ غور کر کے حدیث کے قیمتی سرمائے کی روشنی میں تفسیر قرآن کی کوشش کی جائے جس کو ذاتی مناسبتوں اور دلچسپیوں سے قطعاً آلودہ نہ کیا جائے...... علماء نے تفسیر قرآن کے لیے بیسیوں علوم گنوائے ہیں جن میں مہارت ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص فقط ذہانت وعبقریت کے بل بوتے پر تفسیر کرنے بیٹھے تو علوم ومعرفت کے اس بحرِ بیکراں کی تفسیر وتشریح میں صواب کی بنسبت غلطیوں کی زیادہ توقع کی جا سکتی ہے۔

مفسر مرحوم نے اس تفسیر قرآن کو عمر عزیز کے آخری ۵ برس میں مکمل کیا ہے جس سے قبل آپ بیسیوں تصانیف اور سینکڑوں مقالات تحریر فرما چکے تھے۔ ان تصانیف میں جہاں لغتِ قرآن پر یگانہ روزگار تحقیقی کام مترادفات القرآن کے نام سے موجود ہے وہاں سیاستِ اسلامیہ، معیشتِ اسلامی، شریعت وطریقت، سائنس وفلسفہ اور سیرتِ نبویہ ﷺ کے موضوعات پر اسلام اور جدید نظریات کے تقابلی مطالعے سے مزین ایوارڈ یافتہ تحقیقی کام موجود ہیں۔ اعتماد بالحدیث کے جذبے سے سرشار مؤلف، جدید دور میں فتنہ انکارِ حدیث کے شبہات کے تفصیلی رد کے موضوع پر چھ حصوں پر مشتمل عظیم تحقیقی کام بعنوان "آئینہ پرویزیت" بھی پیش کر چکے ہیں۔ اصولِ فقہ میں الموافقات جیسی قیمتی کتاب کا اردو ترجمہ اور متعدد عربی کتب کے تراجم کر چکے ہیں۔ گذشتہ ۲۰ برس کے عرصے میں علمی وتحقیقی مجلّات میں دقیق اور اُچھوتے موضوعات پر آپ کے مقالات بکثرت ملتے ہیں۔ ان تصانیف میں اور زیر نظر تفسیر میں بھی الحمد للہ مصنف نے اسی سلفی منہج اور طرزِ استدلال کی پیروی کی ہے۔

آپ کی سابقہ تصنیفات اس امر پر شاہد ہیں کہ اُن میں ایسے اُمور پر مباحث موجود ہیں جن کی امت کو ضرورت ہے۔ اس بنا پر یہ امید کی جا سکتی ہے کہ مولانا کیلانی کی زیر نظر تفسیری کاوش بھی تفسیری مجموعے میں فقط ایک اضافہ ہی ثابت نہیں ہوگی بلکہ دورِ حاضر میں جس قرآنی راہنمائی کی امت مسلمہ کو ضرورت ہے، اس کی کمی بھی پوری کرے گی۔ ان شاء اللہ!

خوبصورت کمپوزنگ، دیدہ زیب طباعت اور پائیدار مجلد میں ظاہری ومعنوی خوبیوں سے آراستہ یہ تفسیر ان شاء اللہ رمضانُ المبارک میں منظر عام پر آرہی ہے جس کیلئے شائقین تیاری فرمالیں۔ اللہ تعالیٰ مفسر مرحوم کی اس عظیم کاوش کو قبول فرمائے، انکی بلندیٔ درجات کا سبب بنائے اور مرحوم کی لغزشوں کو معاف فرمائے...... آمین!

☆ ☆

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

CPL No. 177

Ph: 5866476
5866396

'MUHADDIS' Lahore

- عناد اور تعصب قوم کے لئے زہرہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں ----- لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم امت کے لئے رحمت کا باعث ہے۔
- علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار' انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں ----- لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا امت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے ----- لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرت اسلامی سے یکسر انحراف ہے
- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمت عملی کو نظرانداز کردینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے ---- لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کردینا اسلامی روح کو کمزور کردینے کے مترادف ہے۔
- آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے-- لیکن

ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عباد صالحین کے اوصاف میں داخل ہے----- لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو:

محدث

کا مطالعہ فرمائیے۔ آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے۔ ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرز فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فی پرچہ : ۱۵ روپے   زر سالانہ : ۱۵۰ روپے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ